جلد 4 شمارہ 7 ستمبر 2002ء جمادی الثانی 1423ھ
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ۗ
اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو دوسروں کو اللہ کا ہمسر بنا لیتے ہیں
ان سے اللہ کی محبت کی مانند محبت کرتے ہیں جبکہ اہل ایمان
شدید محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں
(البقرۃ۔165)
اللہ
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار
ماہنامہ
فلاحِ آدمیت
گوجرانوالہ
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض ومقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالی کے قرب وعرفان اور اسکی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے صحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اورادو اذکار کی تلقین۔
- غصہ ونفرت، حسد وبغض، تجسس وغیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالی کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 4 شمارہ 7 ستمبر 2002ء جمادی الثانی 1423ھ

ایڈیٹر وحید احمد

قیمت ———— -/15 روپے   سالانہ فنڈ ———— -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:0431-893535

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-293379

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-222020
E-mail: toheddia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

موجودہ دور میں عالم اسلام کو اپنی ترجیحات کا نئے سرے سے تعین کرنے کی ضرورت ہے۔ زندگی کے ہر معاملے میں ہماری ترجیحات مادہ پرستی کے زیر اثر آ گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خاص مقصد کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ انعام میں فرماتے ہیں "اے پیغمبر ﷺ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اس کے آگے سر جھکانے والا ہوں"۔

زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی نہیں کی۔ لیکن عالم اسلام مجموعی طور پر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی کا مرتکب ہو رہا۔ اسی لئے زندگی کی دوڑ میں گمراہ قوموں سے بھی بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ جب تک مسلمان اپنی زندگی کے ہر معاملے میں احکامات قرآنی کو ترجیح نہیں دیں گے اس وقت تک موجودہ صورت حال سے نکلنا ناممکن ہے۔

اسلام بنیادی طور پر تین اجزاء پر مشتمل ہے۔(1) عقائد (2) عبادات اور (3) معاملات کسی بھی مذہب کے عقائد اس کے ماننے والے کے طرز زندگی پر اثر ہوتے ہیں۔ موجودہ مسلمانوں کا جو طرز زندگی ہے اس کا ان کے عقائد سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ تاریخ اسلام اس بات کی گواہی بار بار دیتی ہے کہ مسلمان جب بھی انتشار اور افتراق کا شکار ہوئے ہیں اس کی بنیادی وجہ ان کے عقائد کی کجی رہی ہے۔ عقائد میں پہلی بات توحید ہے۔ عقیدہ توحید کی کمزوری مسلمان کو غیر اللہ کے خوف میں مبتلا کر دیتی۔ مسلمان کو اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن اس کا ایمان کمزور ہے۔ اس کی ذاتی اغراض اس کمزوری کی بنیادی وجہ ہیں۔ جب تک ذاتی اغراض کو نہیں چھوڑے گا اس کا ایمان محکم نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح دوسرے عقائد کا حال ہے جن میں رسالت پر ایمان' ملائکہ پر ایمان' یوم آخرت پر ایمان اور سابقہ کتب پر ایمان شامل ہیں۔ ان عقائد کا حال بھی مسلمانوں کی زندگی میں ایسا ہی ہے جیسا توحید کے معاملے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو انسان کو اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے لیکن موجودہ دور کا انسان غیر اللہ کی بندگی میں مبتلا ہے۔

دین اسلام کا دوسرا بنیادی جزو عبادت ہے۔ عبادات کو مسلمانوں نے محض ایک رسم کے طور پر اپنا رکھا ہے۔ عبادت کا بنیادی مقصد تو تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ قرآن کریم میں مجموعی طور پر تمام عبادتوں کی اصل یہی بتائی گئی ہے کہ یہ تقویٰ پیدا کرنے کے لئے ہیں۔ "اے بنی نوع انسان اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم متقی بن جاؤ"

موجودہ دور میں عبادات کی صورت باقی رہ گئی ہے ان کی حقیقت تک پہنچنے کی طرف دھیان کم ہی جاتا ہے۔ جیسا کہ قربانی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "اللہ کو قربانیوں کے خون اور گوشت ہرگز نہیں پہنچتے بلکہ اسے تو تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔ یعنی وہ جذبہ اور خلوص جس کے تحت تم قربانی دیتے ہو"

اسلام کا تیسرا بینادی جزو معاملات ہیں۔ پہلے دو اجزاء کا تعلق تو ذاتی ہوتا ہے۔ لیکن معاملات کا تعلق اس کے اردگرد بسنے والے لوگوں سے ہے۔ زندگی کے اس پہلو کے متعلق مسلمانوں کا رویہ خود غرضی کے زیر اثر ہے۔ ان کو اپنی ذات کے علاوہ اور کچھ نہیں نظر آتا۔ پہلے دو اجزاء کا تعلق حقوق اللہ سے اور تیسرے جز کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق میں کوتاہی تو معاف کر سکتا ہے لیکن حقوق العباد میں کوتاہی قابل معافی نہیں۔

موجودہ دور میں مسلمانوں کا رویہ عائلی اور معاشرتی معاملات میں دین حق کے بالکل منافی ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی غیر مسلموں کے مقابلے میں پستی کا شکار ہے۔ غیر مسلموں نے تو اسلام کے معاشرتی اصول اپنا کر اپنے عوام کی فلاح کا بہت کام کیا لیکن جن کے پاس یہ سارا نظام نسل در نسل چلا آرہا ہے وہ اپنے مسائل کو حل کرنے کے لئے غیروں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اسی لئے مسلم معاشروں میں آپس میں محبت اور اتحاد و اتفاق بہت کم نظر آتا ہے۔ موجودہ مسائل کا مقابلہ اتحاد و اتفاق اور محبت کے بل پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ جب تک ہمیں حقوق العباد کے ادا کرنے کا احساس پیدا نہیں ہو گا۔ ہم دوسری اقوام کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ترجیحات کا قبلہ درست کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

والسلام

وحید احمد

درس قرآن

(سید محمد عبداللہ شاہ)

قد افلح من زکھا

"یقیناً" فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا۔"

یعنی وہ انسان اس دنیا میں کامیاب و کامران ہے جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا۔ تزکیہ کا لغوی معنی و مفہوم یہ ہے کہ صاف ستھرا بنانا' نشوونما کرنا' پاک کرنا' پروان چڑھانا۔

اصطلاحی مفہوم! تزکیہ نفس کی اصطلاح سے مراد فرد کو غلط رجحانات سے نکال کر نیکی اور خدا پرستی کے راستہ پر ڈالنا۔ تزکیہ نفس کی اصطلاح محدود ہے مگر صوفیائے کرام کے نزدیک مزید محدود ہے۔ تزکیہ یا پاکیزگی اختیار کرنا بندہ کا فعل ہے۔ سورۃ اعلیٰ میں ارشاد ربانی ہے قد افلح من تزکیٰ "فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی" اسی طرح سورۃ عبس میں ارشاد ہے وما علیک الا یزکیٰ "اور تم پر کیا ذمہ داری ہے اگر وہ پاکیزگی نہ اختیار کرے"

دراصل انسان اس دنیا میں آزمائش کے لئے آیا ہے اس میں نیکی اور بدی دونوں کا خمیر ہے اب انسان پر منحصر ہے کہ وہ نیکی اور تقویٰ کی راہ اختیار کرے یا بدی اور گمراہی کی راہ پر چلے۔

سورۃ دہر میں ارشاد ربانی ہے۔

"ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کی آزمائش کریں اسی لئے اسے ہم نے سمیع و بصیر بنایا۔" (آیت 2)

نفس کی تقلید انسان کو کفر خفی اور حماقت کی طرف لے جاتی ہے نفس کی تقلید میں

انسان کا ایمان یوم حساب پر کمزور ہو جاتا ہے جو اسے کفر خفی کی طرف لے جاتا ہے یا پھر انسان اپنی حماقت کے باعث اللہ تعالیٰ کی صفت عفو و کرم پر غلط اعتماد کر لیتا ہے۔ یہ نفس انسانی جس کے تزکیہ کی تاکید ہے اس کو مندرجہ ذیل تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(1) نفس امارہ (2) نفس لوامہ (3) نفس مطمئنہ

نفس امارہ

نفس کی یہ قسم نفس کی انتہائی سرکشی کو ظاہر کرتی ہے جو نفس ہر وقت برائی و گمراہی کی طرف راغب ہو اسے نفس امارہ کہتے ہیں نفس امارہ کو جتنا زیادہ دبایا جائے اتنا بہتر ہے یعنی انسان گمراہی سے بچے گا اور نیکی کی طرف راغب ہو گا۔

نفس لوامہ

نفس لوامہ ایسا نفس ہے جو انسان کو غلط کام کرنے پر ملامت کرتا ہے۔ جب انسان کوئی غلط بات سوچے یا کوئی بری نیت کرے تو یہ نفس انسان کو روکتا ہے ملامت کرتا ہے۔ نفس کی اس قسم کو ہم ضمیر بھی کہتے ہیں۔

نفس مطمئنہ

نفس مطمئنہ ایسا نفس ہے جو غلط راہ چھوڑنے اور نیکی و ہدایت کی راہ اختیار کرنے میں اطمینان محسوس کرتا ہے۔ نفس کی یہ وہ اعلیٰ قسم ہے جس میں انسان پہنچ کر سراپا اطاعت و فرمانبرداری بن جاتا ہے مکمل نیکی کی طرف راغب رہتا ہے برائی کا خیال تک اس نفس میں نہیں آتا ہے اس نفس کے لئے حکم ہے۔

یاایتھا النفس المطمئنہ - ارجعی الی ربک راضیتہ مرضیہ- فادخلی فی عبدی- وادخلی جنتی (الفجر)

(حکم الٰہی ہو گا) اے نفس مطمئن چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے

انجام نیک سے) خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے شامل ہو جا میرے نیک بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں" (27 تا 30 الفجر)

مسلسل ضبط نفس کا مظاہرہ

مسلسل نفس پر کنٹرول یعنی ضبط نفس کا مظاہرہ ضروری ہے تاکہ نفس امارہ آہستہ آہستہ نفس لوامہ میں تبدیل ہو جائے اور نفس لوامہ نفس مطمئنہ بن جائے تاکہ جنت میں داخلہ یقینی ہو جائے"۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا قول ہے کہ "نفس انسانی کا خاصہ ہے کہ اگر اس کی ایک ناجائز خواہش پوری کر دی جائے تو وہ دوسری کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے اس لئے بہتر ہے کہ نفس کو ڈھیل ہی نہ دی جائے"

صحابہ کرام ؓ کے نفس نفس مطمئنہ تھے اس لئے رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ کا حکم قرآن مجید میں آتا ہے۔

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اللھم ات نفسی تقواھا وزکھا انت خیر من زکاھا انت ولیھا ومولاھا

خدایا میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا کر اور اس کو پاکیزہ کر۔ تو ہی بہتر ہستی ہے جو اس کو پاکیزہ کرے تو ہی اس کا سرپرست و مولا ہے۔

تزکیہ نفس کا مقصد تقوی ہے اور تزکیہ نفس کے ذرائع نماز' روزہ' زکواۃ و صدقہ خیرات و ذکر الٰہی وغیرہ ہیں۔

درس حدیث

(رانا اعجاز)

عن ام المومنین امه عبدالله عائشته رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد رواه البخاری و مسلم و فی روایه لمسلم من عمل عملا لیس علیه امرنا فهو رد

ام المومنین ام عبداللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ہمارے اس امر (دین) میں نئی بات نکالی جو اس میں سے نہیں تو وہ رد ہے اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے جس نے کوئی (ایسا) عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ رد ہے۔

سنت اور بدعت کا فرق

حدیث جو کچھ بیان کر رہی ہے وہ سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ نے جن چیزوں کو دین میں شمار نہیں کیا۔ اگر کوئی آدمی ان کو دین میں سے تصور کرے اور اس پر اجر و ثواب کی امید رکھے تو یہ ایسا عمل ہے جو اللہ کے ہاں قبولیت کا مقام نہیں پا سکتا۔ کیونکہ دین کا منبع صرف دو چیزیں ہیں ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے سنت نبوی جب کسی عمل کی بنیاد ان دو میں سے کسی پر نہ ہو تو وہ نامقبول عمل ہے۔

قرآن مجید اور احادیث میں بار بار اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ نجات اور ہدایت کے لئے صرف اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور اس پر عمل کرو۔

قل اطیعوا الله واطیعو الرسول

اے نبی ﷺ فرما دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔

ان کنتم تحبون الله فاتبعونی

اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ یہی وجہ ہے کہ مومن کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی اتباع ہی وسیلہ نجات ہے۔ ایسی بات جو صراحتہ "یا اشارۃ کتاب الہی اور سنت نبوی میں موجود نہ ہو اور اس کو باعث ثواب سمجھتے ہوئے اس پر عمل کیا جائے تو ایسی بات کو علماء نے بدعت

سے تعبیر کیا ہے۔

بدعت کے لغوی معنی نئی چیز یا ایجاد کے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بہت سی احادیث میں بدعت کی مذمت کی ہے۔

ارشاد فرمایا۔ تم میری اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی کرو اور اسے مضبوطی سے تھامے رکھو اور دین میں نئی پیدا شدہ باتوں سے دور رہو۔ کیونکہ ہر نئی بات (بدعت) گمراہی ہے' اسی طرح فرمایا۔ اپنے آپ کو بدعت سے بچائے رکھو۔ کیونکہ بدعت خدا اور رسول کی نافرمانی کی طرف لے جاتی ہے اور جو آدمی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی میں مبتلا ہوا وہ راستے سے بھٹک گیا اور گمراہ ہوا۔ بدعت کے مقابلے میں سنت پر زور دیا ہے۔ فرمایا جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔ (مشکوٰۃ)

رسول اللہ ﷺ نے سنت کی پیروی پر بہت زور دیا ہے۔ "جس نے میری سنت کو زندہ کیا گویا اس نے مجھے زندہ کیا۔" (ترمذی)

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس بدعت کو رسول اکرم ﷺ نے گمراہی قرار دیا ہے وہ ایسی بدعت ہے جو قرآن و سنت کی روح کے منافی ہو' ورنہ ایسی نئی بات جو روح دین کے خلاف نہ ہو نہ صرف جائز بلکہ بعض اوقات واجب ہوتی ہے۔ بدعت واجبہ کی مثال قرآن و سنت کو سمجھنے کے لئے صرف و نحو کا علم حاصل کرنا یا قرآن مجید کی تعلیم پر تنخواہ لینا وغیرہ جو بدعت روح اسلام کے منافی ہو اسکو بدعت سیئہ کہا گیا ہے۔

بدعت کے نقصانات

بدعت سے امت مسلمہ کے اتحاد میں رخنے پڑتے ہیں اور مسلمان آپس میں لڑنے لگتے ہیں۔ اس سے نئے نئے فرقے وجود میں آتے ہیں اور خلفشار کی نئی راہیں کھلتی ہیں دین کی تعظیم دلوں سے اٹھ جاتی ہے۔

دین کا حلیہ بگڑ جاتا ہے اور اصل دین نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

مجھے پیسہ چاہیئے

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

میاں محمد علی مرحوم و مغفور ہمارے سلسلہ کی ایک معروف شخصیت تھے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے ساتھ خصوصی تعلق اور محبت کی بنا پر انہوں نے قبلہ حضرتؒ اور سلسلہ توحیدیہ کی جو خدمت انجام دی انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ راقم الحروف کے ساتھ ان کی ملاقات پاکستان ائر فورس کی سروس کے دوران لاہور میں ہوئی۔ میری طرح وہ بھی جہازوں کے ٹیکنیشن تھے۔ وہ مجھ سے پہلے بیعت کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔ انہوں نے سروس کے دوران پرائیویٹ طور پر ایم اے کر لیا تھا۔ انہیں دولت کے حصول کا جنون کی حد تک شوق تھا اور سروس کے دوران بھی بعض خلاف قانون کاروباری سرگرمیوں میں ملوث رہے جس کی وجہ سے کئی بار ان پر مقدمات بھی بنے لیکن مایا سے ان کی محبت کا جذبہ سرد نہ ہوا۔ قبلہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مجلس میں میاں صاحب کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

"میاں محمد علی صاحب پہلی مرتبہ مجھے سرگودھا میں ملے۔ ان دنوں ان پر کوئی کیس بنا ہوا تھا جس کے نتیجے میں ان کا کورٹ مارشل ہونے کا خدشہ تھا۔ جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان تھے دعا کرانے کے لئے آئے تھے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دی اور اسے کہہ دیا کہ کورٹ مارشل وغیرہ کچھ نہیں ہو گا بس معمولی سی سزا ہو گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس کے بعد وہ حلقہ ذکر میں باقاعدگی سے آنے لگے اور بیعت ہو گئے۔ ایک مرتبہ وہاں سرگودھا ہی میں ایک گھر میں مجلس تھی جس میں پانچ سات بھائی بیٹھے تھے۔ خوب پریم ہو رہا تھا۔ سب خاموشی سے بیٹھے اللہ اللہ کر رہے تھے کہ مجھ پر ایک خاص روحانی کیفیت وارد ہوئی اور میں نے سب سے مخاطب ہو کر کہا "مانگو تمہیں کیا چاہیے" میں نے باری باری ہر ایک سے پوچھا کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف فرما دے اور کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مل جائے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن جب علی صاحب کی باری آئی تو اس نے کہا کہ قبلہ مجھے تو پیسہ چاہیے اس کمرے میں ایک سوٹ کیس پڑا ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ جاؤ یہ صندوق سو سو کے نوٹوں سے بھرا ہوا تمہیں دے

دیا۔ در اصل اللہ تعالیٰ کو ہی ایسا منظور تھا۔ کسی دوسرے نے دولت کیوں نہیں مانگی؟ اسی نے مانگی جسے اللہ دینا چاہتا تھا۔ وہ گھڑی ایسی تھی کہ ہر ایک کو اس کی مراد مل گئی"

اس کے کچھ عرصہ بعد راقم السطور نے 1959ء میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے نسیم احمد صاحب کے توسط سے متعارف ہوا تو حلقہ لاہور کی ہفتہ وار مجالس ذکر میں علی صاحب سے تعلقات بڑھے۔ تقریباً" دو برس بعد ہی ان کی اپنی درخواست پر انہیں سروس سے ڈسچارج کر دیا گیا اور وہ ریکارڈ آفس سے فائنل کلیرنس کرا کے سیدھے نوشہرہ ورکاں ضلع گوجرانوالہ پہنچے جہاں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع ہو رہا تھا۔ اس سال قبلہ حضرتؒ کی کتاب "طریقت توحیدیہ" چھپی تو بہت سے بھائی اس پر شیخ سلسلہؒ سے آٹوگراف لے رہے تھے۔ آپ سبھی کو چھوٹے چھوٹے نصیحت آموز جملے لکھ لکھ کر نیچے اپنے دستخط ثبت فرما کر دے رہے تھے۔ جب میاں محمد علی صاحب نے اسی مقصد کے لئے طریقت توحیدیہ پیش کی تو آپ نے لکھا "دولت کماؤ" اور دستخط کر دئے اور فرمایا تمہاری ڈیوٹی دولت کمانے پر لگا دی ہے حلقے کو پیسے کی بھی ضرورت ہے۔ علی صاحب نے مجھے آٹوگراف دکھاتے ہوئے کہا کہ میرے لئے یہی رہ گئی ہے؟ میں نے مذکورہ دعا کے حوالہ سے کہا کہ یہ تو تم نے خود مانگی تھی۔ قارئین کرام اب اس پیش گوئی اور دعا کی تکمیل کے مراحل یوں طے ہوئے کہ اجتماع کے فوراً" بعد قبلہ حضرتؒ لاہور تشریف لے گئے تو علی صاحب بھی ان کے ساتھ ہی گئے۔ چند روز بعد ہی ایک انگریز فرم جو انشورنس سروے کا کام کرتی تھی میں انہیں نہایت معقول مشاہرے پر ملازمت کی پیشکش ہوئی اور قبلہ حضرتؒ سے منظوری لے کر انہوں نے وہاں سروس شروع کر دی۔ کوئی ڈیڑھ سال بعد ہی وہ گورا صاحب تو اپنے وطن سدھارا اور فرم میاں صاحب نے سنبھال لی اور ایک دوسری فرم کے ساتھ شراکت کر لی۔ اس کے علاوہ کسی دوست کے ساتھ مل کر پاکستان میں پہلی مرتبہ الیکٹرک واٹر گیزر تیار کرنے شروع کئے اور ایک ہی سال میں لاکھوں روپے کمائے۔ اس کے بعد اپنی علیحدہ فرم "ماڈرن کمفرٹس" کے نام پر الفلاح بلڈنگ میں کھول لی۔ اسمبلی ہال کے عقب میں واقع پرنس ہوٹل میں منعقدہ سالانہ اجتماع کے موقع پر اس کا افتتاح قبلہ حضرتؒ نے اپنے دست مبارک سے کیا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے دستگیری فرمائی تو ماڈرن کمفرٹس کی برانچیں کراچی، حیدر آباد اور راولپنڈی میں بھی کھل گئیں۔ راولپنڈی صدر میں جی ٹی ایس اڈہ کے سامنے فاران ریسٹورنٹ بھی علی صاحب نے شروع کیا۔ اس کا افتتاح بھی قبلہ حضرتؒ نے فرمایا اور اس

موقع پر وہاں محفل سماع بھی ہوئی۔ اسی دوران میاں صاحب کے پر خلوص اصرار اور محبت بھری التجا پر قبلہ حضرت" بنوں سے ترک سکونت کر کے عبدالستار خاں" اور ان کے اہل خانہ سمیت 1964ء میں لاہور منتقل ہو گئے۔ شروع میں مختصر عرصہ کے لئے آپ کی رہائش فضل بلڈنگ کوپر روڈ اور فورٹریس سٹیڈیم کے نزدیک کینٹ ایریا میں رہی اور بعد میں آپ کوٹھی نمبرا۔76/B (گنبد والی کوٹھی) گلبرگ میں منتقل ہو گئے جہاں 1973ء تک آپ کا قیام رہا۔ اس کے بعد آپ آستانہ توحیدیہ G۔92 ماڈل ٹاؤن میں رونق افروق ہوئے۔ میاں محمد علی صاحب نے قبلہ حضرت" کے خلیفہ عبدالستار خان" کو بھی اسی کوٹھی میں رکھا اور اپنی فرم میں انہیں ملازمت بھی دی۔ تقریباً نو برس تک قبلہ حضرت" کے علاوہ آپ کی ملاقات کے لئے آنے والے تمام بھائیوں کی مہمان نوازی کے اخراجات برداشت کرنے کی سعادت میاں محمد علی صاحب کے حصہ ہی میں آئی۔ جس کے نتیجہ مرشد کی دعاؤں اور اللہ تعالیٰ کے فضل میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہ امر بھی میاں صاحب کے ایثار کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ قبلہ حضرت" کی حیات میں لاہور میں منعقد ہونے والے سلسلہ توحیدیہ کے پانچ سالانہ اجتماعات کے جملہ اخراجات آپ نے ہی ذاتی طور پر برداشت کئے۔ اس کے بعد جب آستانہ توحیدیہ کی تعمیر کا مرحلہ آیا اس میں بھی آپ نے معتدبہ مالی تعاون فرمایا۔ ملتان شہر میں منعقدہ غالباً 1972ء والے سالانہ اجتماع کے موقع پر قبلہ حضرت" کے حکم سے جب راقم السطور برادران سلسلہ سے آستانہ توحیدیہ کے لئے فنڈ جمع کرنے کے لئے اپیل کر رہا تھا تو میاں صاحب نے آکر مجھے کہا کہ میری طرف سے یہ اعلان کر دیں کہ اس اجتماع پر تمام برادران مل کر جتنا فنڈ اکٹھا کریں گے میں اس سے دوگنی رقم آستانہ کے لئے عطیہ دونگا۔ اس قحط الرجال کے دور میں میاں محمد علی صاحب جیسے مجسم خلوص اور سراپا ایثار انسان کہاں ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بھائی میاں محمد علی مرحوم کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے' ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے بچوں کو بھی دنیا و آخرت میں کامیاب اور سرخرو فرمائے۔ آمین

خواجہؒ کے خطوط

(خالد مسعود توحیدی)

1- بازاری آدمی

(بنام محمد یعقوب صاحب (10/2/1963

"آپ کی والدہ کی صحت کی بہتری کی خبر سے اطمینان ہوا۔ اللہ تعالیٰ بالکل شفا دے۔ صرف دو گھونٹ پانی پر سورہ الحمد پڑھ کر اور دم کر کے دن میں دو مرتبہ پلا دیا کرو انشاء اللہ صحت ہو جائے گی۔ یاد رکھو میں بازاری آدمی نہیں ہوں مجھے کسی کی بات بھی ناگوار نہیں لگتی۔ میں انسان کی ذہنیت سے واقف ہوں اور جانتا ہوں کہ ہر شخص اپنی لیاقت اور اخلاق کے مطابق بات کرتا ہے۔ اس لئے میں کسی سے ناراض نہیں ہوتا۔ بلکہ نصیحت ضرور کرتا ہوں اور یہ ضرور بتاتا ہوں کہ تم میں فلاں عیب ہے اس کو چھوڑ دو۔ یہ بھی اس لئے کرتا ہوں کہ یہ میرا فرض ہے۔ لوگ اسی لئے تو مجھ سے بیعت ہوتے ہیں کہ میں ان کی اصلاح کروں۔ پھر اگر کوئی میری نصیحت کا برا مانے یا یہ سمجھے کہ میں نے غصہ سے کہا ہے تو یہ اس کی غلطی ہے۔ ایسے آدمی کی اصلاح کبھی نہیں ہو سکتی"

2- علم و عرفان

(بنام محمد یعقوب صاحب28/5/1962)

"ذکر نفی اثبات اور پاس انفاس میں ناغہ نہ کرنا۔ غصہ اور نفرت کی نفی کر دیں بڑی جلدی ترقی ہو جائے گی۔ خوش مزاجی اور خوش خلقی اختیار کریں۔ مرتضیٰ صاحب اور ملک صاحب کی صحبت کو نعمت سمجھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ پی اے ایف میں سولین ہیں۔ اگر ممکن ہو اور قواعد اجازت دیں تو ایف اے اور بی اے کا امتحان پاس کر لیں خواہ کتنے ہی برس میں ہو۔ قاعدہ نہ ہو تو فارسی اور انگریزی کی سٹڈی گھر پر کر کے قابلیت بڑھاتے رہیں۔ اصل چیز قابلیت ہے۔ علم نہ ہو تو باوجود ولی اللہ ہو جانے کے آدمی عارف نہیں بن سکتا جو ولایت کا سب سے

بڑا درجہ ہے"

3۔ علم اور عزت کی زندگی

(بنام محمد یعقوب صاحب 20/7/1962)

"اگر فی الحال آگے سٹڈی نہیں کر سکتے تو جب بھی موقع ملے آگے سٹڈی ضرور کرنا۔ عمر بہت کافی پڑی ہے۔ کچھ ڈگری وغیرہ لے لوگے تو بڑھاپا آرام سے گزرے گا اور آپ کے بچے بھی عزت کی زندگی بسر کر سکیں گے ورنہ جانوروں کی طرح دنیا میں زندگی گذار کر مرجانے سے کیا فائدہ۔ علاوہ ازیں جتنا علم زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی انسان حق 'ناحق' اور خدا کو زیادہ جان جاتا ہے اور اس سے بڑی کوئی دولت نہیں۔ یہی چیز مرنے کے بعد بلند مراتب دلواتی ہے۔ نوکری تلاش کرتے رہو کبھی تو اچھی نوکری ملے گی۔ دوسری صورت یہ ہے آگے نہ پڑھو بلکہ کسی سکول وغیرہ میں داخل ہو کر اکاؤنٹ کا کوئی امتحان پاس کرلو تب بھی اچھی ملازمت مل جائے گی۔ پھر اکاؤنٹ میں بڑے بڑے امتحان پاس کرلینا۔ بی اے اور ایم اے سے یہ زیادہ اچھا ہے۔ بہر حال کچھ کرنا چاہئے یہی جوانی کی عمر کچھ کرنے کی عمر ہے۔ کراچی میں بہت سے پرائیویٹ سکول ہیں جہاں اکاؤنٹ سکھایا جاتا ہے"

4۔ مرتے وقت اللہ یاد ہو

(بنام محمد یعقوب صاحب 20/7/1962)

"باقی اللہ اللہ جس طرح کر رہے ہو کرتے رہو۔ میرا اصول یہ ہے کہ آہستہ آہستہ ترقی کی جائے دین کی بھی اور دنیا کی بھی اور اللہ کی یاد تو مرتے دم تک کرنی پڑتی ہے۔ مرتے وقت اللہ یاد ہو تو سمجھو ساری زندگی کامیاب رہی ورنہ بیکار گئی۔ دیکھنے بھالنے کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ کسی کو کچھ نظر آتا ہے کسی کو کچھ نظر نہیں آتا۔ اس کا خیال بالکل نہ کریں۔ اخلاق کو دیکھیں یہ سدھر رہا ہے یا نہیں اور خدا کی یاد کو دیکھیں کہ بڑھ رہی ہے یا نہیں۔ باقی سب درست ہے"۔

عمر ضائع کر دی

(حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ)

قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوتا تھا اور مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال حسب معمول جلسے میں تشریف لائے۔ میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ ایک صبح نماز فجر کے وقت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت اندھیرے میں سر پکڑے بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا "حضرت کیسا مزاج ہے"۔ کہاہاں ٹھیک ہی ہے۔ میاں مزاج کیا پوچھتے ہو؟ عمر ضائع کر دی۔ میں نے عرض کیا "حضرت آپ کی ساری عمر علم کی خدمت اور دین کی اشاعت میں گزری ہے۔ آپ کے ہزاروں شاگرد علماء اور مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی" فرمایا "میں صحیح کہتا ہوں' عمر ضائع کر دی" میں نے عرض کیا حضرت بات کیا ہے؟۔

☆ فرمایا "ہماری عمر کا' ہماری تقریروں کا' ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے آئمہ پر آپ کے مسلک کی فوقیت ثابت کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا' تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔ اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی۔ ابو حنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں؟ انکو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا۔ وہ تو ہمارے محتاج نہیں اور ہم امام شافعیؒ ' امام مالکؒ ' امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے مسلک کے فقہاء کے مقابلے میں جو ترجیح قائم کرتے ہیں کیا حاصل ہے اس کا؟ ارے میاں۔ اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کونسا خطا۔ لہٰذا اجتہادی مسائل کا اس دنیا میں فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ دنیا میں ہم تمام تر تحقیق و کاوش

کے بعد زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح۔ یا یہ کہ یہ صحیح ہے لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا بھی ہو اور وہ خطا ہے اس احتمال کے ساتھ کہ ثواب ہو۔ دنیا میں تو یہ ہے ہی، قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا؟ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی؟

"اللہ تعالیٰ شافعیؒ کو رسوا کرے گا نہ ابو حنیفہؒ کو۔ مالکؒ کو رسوا کرے گا نہ احمد بن حنبلؒ کو۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے، جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنہوں نے نور ہدایت چار سو پھیلایا ہے، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گذریں اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدان حشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابو حنفیہؒ نے صحیح کہا تھا یا شافعیؒ نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس"

"تو جس چیز کو دنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ برزخ میں اور نہ محشر میں، اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی ضروریات جو سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیائے کرام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور جن منکرات کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج وہ دعوت تو نہیں دی جا رہی۔ آج ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے اور اغیار ان کے چہروں کو مسخ کر رہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہیے پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے اور حلال و حرام کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوتے ہیں ان فروعی بحثوں میں" حضرت شاہ صاحب نے آخر میں فرمایا "یوں غمگین بیٹھا ہوں محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی"

(بحوالہ ماہنامہ "صوت الاسلام" جنوری 2002ء) (مرسلہ سید قیصر شاہ بخاری)

حضرت خواجہ علاؤالدین عطار رحمتہ اللہ علیہ

آپ کی نسبت حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ سے ہے اور آپ حضرت خواجہ کے داماد بھی ہیں۔ بچپن سے ہی آپ کی طبع مبارک فقر کی طرف مائل تھی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد طالب مالک وراثت نہ ہوئے بلکہ مشغول علم ہوئے۔ ابھی بچہ ہی تھے کہ ایک روز حضرت خواجہ نقشبندؒ نے ان کی والدہ سے فرمایا کہ جب علاؤ الدین بالغ ہو تو مجھ کو خبر کرنا چنانچہ جب آپ بالغ ہوئے تو ایک روز حضرت خواجہ نقشبندؒ خود قصر عارفاں سے تشریف لائے اور مدرسہ میں جہاں حضرت خواجہ علاؤالدین پڑھتے تھے دیکھا کہ ایک حجرہ میں بیٹھے ہوئے بوریہ پر اینٹ سرہانے رکھے ہوئے مطالعہ کر رہے ہیں۔ حضرت خواجہ کی صورت دیکھ کر تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی جگہ پر حضرت خواجہؒ کو بٹھا لیا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میری بیٹی آج بالغ ہوئی ہے اگر تم قبول کرو تو تم سے نکاح کر دوں۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ میری عین سعادت ہے مگر میرے پاس کچھ سامان نہیں ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میری بٹی کی قسمت میں رزق مقرر ہے وہ خزانہ غیب سے ملتا رہے گا تم اس کی فکر نہ کرو۔ حضرت خواجہ نے اپنی بیٹی جنابہ صبیہ معصومہ کا نکاح حضرت علاؤ الدین سے کر دیا۔ بعد نکاح حضرت خواجہ علاؤ الدین نے حضرت خواجہ کی صحبت اختیار کی۔ حضرت خواجہ کی بھی ان پر نظر خاص تھی اپنے قریب ان کو بٹھاتے اور جلد از جلد ان کی طرف توجہ فرماتے تھے چنانچہ عرصہ قلیل میں ان کو کمال و تکمیل میں پہنچا کر اپنی حیات ہی میں تمام مریدوں کو ان کے حوالہ کر دیا۔ حضرت اکثر فرمایا کرتے کہ علاؤالدین نے مجھ کو سبک بار کر دیا ہے بعد وصال حضرت خواجہ کے تمام مریدوں نے حضرت خواجہ علاؤالدین سے تجدید بیعت کی حتیٰ کہ حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ نے بھی جن کی نسبت حضرت خواجہ نقشبند نے فرمایا تھا کہ جو مجھ کو دیکھنا چاہے وہ محمد پارسا کو دیکھے۔ حضرت خواجہ علاؤالدین سے تجدید بیعت کی۔ حضرت خواجہ علاؤالدین صاحب طریقہ خاص تھے ان کے طریقہ کو علائیہ کہتے ہیں ان کے مناقب و ماثر از حد ہیں حضرت خواجہ علاؤ الدینؒ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجاورت خلق سے مجاورت حق تعالیٰ بہتر ہے فرمایا کہ مقصود زیارت مزارات اکابر قدس اللہ اسرارہم سے یہ ہونا چاہیئے کہ توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہو اور ان کی روح کو وسیلہ سمجھے اور یہی حال خلق کے ساتھ تواضع کرنے کا ہے کہ ہرچند تواضع ظاہری خلق کی طرف ہو لیکن در حقیقت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے واسطے ہو۔ فرمایا طریقہ مراقبہ۔ نفی و اثبات سے اعلیٰ

و اولیٰ ہے کہ طریقہ مراقبہ سے مقام نورانیت و تصرف ملک و ملکوت میں پہنچ سکتا ہے اور اشراق خواطر حاصل ہوتا ہے اور باطن طلاب کو منور کر سکتا ہے دوام جمعیت حاصل ہوتی ہے۔ فرمایا کہ خاموشی ان تین صفات سے خالی نہیں ہونی چاہیے۔ نگاہداشت خطرات' توجہ ذکر دل' مشاہدہ احوال کہ دل پر گذرتا ہو۔ فرمایا کہ اہل اللہ کی دوام صحبت سے عقل معاد کو ترقی ہوتی ہے۔ فرمایا صحبت سنت موکدہ ہے ہر روز یا ایک روز ناغہ کرکے ہونا چاہیے اور اگر مسافت دور ہو تو ہر ماہ یا تیسرے ماہ اپنے احوال کی اطلاع اپنے مرشد کو بذریعہ مکتوب وغیرہ کے ضرور دیتا رہے۔ جب حضرت خواجہ علاؤالدین ؒ کا وقت وصال ہوا تو فرمایا کہ کوئی آرزو دل میں سوائے اس کے نہیں رہی کہ دوست آئیں اور مجھ کو نہ پائیں اور شکستہ دل ہو کر واپس جائیں فرمایا کہ رسم عادت کو چھوڑو کہ جو کچھ رسم ہے عادت خلاف ہے سنت نبی ﷺ پر ہمیشہ مضبوطی سے عمل کرو۔ اسی اثنا میں کلمہ توحید پڑھا اور وصال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

تاریخ وصال 20 رجب 802ھ ہے۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت کے ایک مخلص نے خواب دیکھا کہ بڑی شاندار بارگاہ ہے۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند ؒ اور حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار ؒ اس بارگاہ عالی کے قریب ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرت رسول کریم ﷺ کی بارگاہ ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ بہاؤالدین قدس سرہ اس بارگاہ کی زیارت کے لئے داخل ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد نہایت بشاشت کے ساتھ واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھ کو یہ مرتبہ دیا گیا ہے کہ جس شخص کی قبر تمہاری قبر سے سو کوس کے فاصلہ پر ہو گی حکم الٰہی سے تم اس کی شفاعت کرو گے اور خواجہ علاؤالدین کو ان کی قبر سے چالیس فرسنگ تک شفاعت کرنے کا مرتبہ دیا گیا ہے۔ میرے ادنیٰ دوستوں اور طریقہ کی پیروی کرنے والوں کو ان کی قبر سے ایک ایک فرسنگ تک شفاعت کرنے کا درجہ دیا گیا۔ پس تم ان کی ہدایتوں کی پیروی کرو۔ آپ کا مزار شریف نو چغانیاں میں ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ و رحمتہ واسعہ

عالم روحانی

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

علماء اور اولیائے متقدمین نے دو عالم بیان فرمائے ہیں' ایک عالم امر اور دوسرا عالم خلق۔ ہم نے زیادہ واضح طور پر سمجھانے کی غرض سے عالم خلق کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے' ایک عالم مثال دوسرے عالم مادی۔ اس طرح کل تین عوالم ہوئے عالم امر' عالم مثال' عالم مادی' ان تینوں کے مجموعہ کا منفرد نام کائنات ہے۔

عالم مادی میں زمین' سورج اور تمام ستارے شامل ہیں۔ عالم مثال اور عالم امر اس تمام کائنات کی فضاء میں پھیلا ہوا ہے۔ وہ ہماری زمین اور ستاروں اور کروں میں بھی موجود ہے اگرچہ ان کے رہنے والوں کو محسوس نہیں ہوتا نہ عالم مثال میں رہنے والی مخلوق کو یہ کرے محسوس ہوتے ہیں۔ قرآن میں اس کی بابت آل عمران آیت ۱۳۳اور سورہ الحدید کی آیت ۲۱ میں ہے کہ جنت زمین و آسمان کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

یہ تمام کائنات کروی شکل کی ہے' اس کا مرکز عرش اعظم ہے اور اس عرش کا مرکز عین ذات یا ذات بحت کا جائے قرار ہے' جس کو قرآن میں ثم استوی علی العرش کہا گیا ہے۔ یہ ذات کی وہ حقیقت ہے جو پاک ہے ان تمام صفات سے جو ہم اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس ذات بحت کے اردگرد ذاتی تجلیات کا عالم ہے۔ عرش کے سروں سے صفاتی تجلیات شروع ہوتی ہیں یعنی الطف مقابلتہ" کم لطیف ہوتا جاتا ہے۔ ذاتی و صفاتی تجلیات کا مبداء اگرچہ عرش ہے مگر وہ تمام کائنات میں ہر وقت اور ہر جگہ موجود لیکن اس طرح مستور ہیں جیسے بادلوں میں بجلی۔ عرش کے بعد بسائط ہیں' ان کی تعداد کو اللہ ہی جانتا ہے' لیکن ان میں سے خاص خاص یہ ہیں' پہلے روح بسیط یا روح الاعظم ہے' دوسرے عقل بسیط' ہے تیسرے نفس بسیط ہے' نفس بسیط کے بعد عدم بسیط ہے۔ یاد رکھئے کہ ہم عرش سے عالم مثال اور عالم مادی کی طرف نزول کر رہے ہیں۔ عرش کے بعد جن بسائط کا ذکر ہوا وہ اور دوسرے عوالم جن کا اب ذکر ہو گا عرش کے چاروں طرف طبقات کی طرح واقع ہیں۔ عدم بسیط کے آخری سرے پر عالم امر ختم ہو جاتا ہے۔

عالم امر کے بعد عالم مثال ہے جس کے پہلے طبقے کا نام عالم ھو ہے۔ اس کے بعد علی الترتیب ھاھوت' لاھوت' جبروت اور ملکوت کے عوالم ہیں' یہاں جنتوں کے طبقات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد ناسوت یعنی دوزخوں کا ملک ہے' جس کے ڈانڈے ہمارے عالم مادی سے ملے ہوئے ہیں۔ ناسوت مادی عالم کو کہتے

ہیں، ہم نے آسانی سے سمجھ میں آنے کے لئے یہ لفظ دوزخ کے لئے استعمال کیا ہے۔

عوالم کی یہ ترتیب نزولی ہے یعنی ہم عرش سے اس عالم مادی کی طرف آئے ہیں۔ اس میں یاد رکھنے کی بات صرف یہ ہے کہ ہر عالم اور اس عالم کا ہر طبقہ جو جتنا عرش سے نزدیک تر ہے اتنا ہی اپنے بعد کے عالم سے زیادہ لطیف ہے حتیٰ کہ سب سے کثیف یہ ہمارا عالم مادی ہے۔ اب ہم کچھ حال ارواح انسانی کا بیان کرتے ہیں کہ وہ کہاں سے اور کس طرح چل کر اس عالم مادی تک پہنچتی اور مادی جسموں میں جلوہ فگن ہوتی ہیں۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عرش کے بعد اور اس کے اردگرد روح بسیط ہے جو مخزن ہے ان تمام ارواح مجردہ کا جو خالق حقیقی نے روز اول محض اپنے حکم سے پیدا کر دی تھیں۔ ان ارواح مجردہ میں کوئی صفت سوائے محبت اور عبودیت کے نہیں ہوتی لیکن استعداد دوسرے خواص کو جذب کرنے کی بھی موجود ہوتی ہے۔ مثال روح بسیط کی سمندر کو سمجھو، سمندر کیا ہے؟ پانی ہے بسیط شکل میں، دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سمندر مجموعہ ہے پانی کے بے شمار ایٹموں کا، جب سورج اس پر نظر ڈالتا ہے تو اس کے تارہائے نظر یعنی کرنوں سے ان ایٹموں میں زندگی یعنی حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ایک تار یا ایک شعاع کی شکل میں آسمان کی طرف صعود کرتے ہیں۔ یہ تار اس قدر باریک ہوتے ہیں کہ خوردبین سے بھی نظر نہیں آ سکتے البتہ وہ سب مل کر دکھائی دیتے ہیں تو ہم اس کو بھاپ کہتے ہیں۔ جب خلا میں اس بھاپ کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ بادل کہلاتی ہے۔ اس بادل کو جب سردی پہنچتی ہے تو پھر وہ پانی بن کر زمین پر برس پڑتا ہے اور اپنی اصل یعنی سمندر کی تلاش میں بے اختیار نشیب کی طرف دوڑنے لگتا ہے، کیونکہ سمندر سطح زمین سے نشیب ہی میں واقع ہے، اس میں سے کچھ پانی جس کو صراط المستقیم مل جاتی ہے دریاؤں کے وسیلے (وابتغوا الیہ الوسیلتہ) بہت جلد سمندر میں جا ملتا ہے، کچھ پانی غلط راستے پر پڑ کر تالابوں، جھیلوں، کنوؤں وغیرہ میں قید ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ زمین میں جذب ہو کر تنگ و تاریک اور پیچیدہ مادی (مثلاً" ناسوتی) راہوں سے سمندر کی تلاش میں رواں دواں رہتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ پانی ہزارہا سال سرگرداں رہنے کے بعد اپنی اصل سے جا ملے اور یہ بھی ممکن ہے کہ قیامت تک نہ پہنچ سکے۔

وعلی اللہ قصد السبیل ومنھا جائر

یعنی "ایک سیدھی راہ ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچتی ہے اور کئی راہیں ٹیڑھی میڑھی بھی ہیں"

بعینہٖ یہی حال ارواح مجردہ کا ہے۔ ہر روح ایک ایٹم کی طرح روح بسیط میں موجود ہے۔ آفتاب حقیقی جب کسی روح کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اپنی نظر حیات افروز اس پر ڈالتا ہے جس کے اثر سے

یہ روحانی ایٹم لمبا ہو کر بشکل شعاع (یا یا الفاظ قرآن ظل یا پرچھائیں) عالم اسفل کی طرف نزول کرنے لگتا ہے، لیکن برخلاف پانی کے اس روحانی ایٹم کا سرا روح بسیط میں اپنی جگہ پر ہی قائم رہتا ہے۔ روح بسیط سے گزر کر یہ شعاع عقل بسیط میں داخل ہوتی ہے اور بقدر استعداد عقل کو جذب کرتی ہوئی نفس بسیط میں پہنچتی ہے اور نفس سے جو حصہ مقدر ہوتا ہے لے لیتی ہے، مطلب یہ ہے کہ یہاں اس میں نفس پیدا ہو جاتا ہے۔ (نفس کیا ہے؟ خواہش مجرد) اب یہ عدم بسیط میں پہنچتی ہے۔ چونکہ قانون آفرینش کے مطابق کوئی ہستی اس وقت تک مشخص نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اپنی ضد کے مقابل نہ آئے 'اس لئے عدم میں پہنچتے ہی اس کو اپنے وجود کا عرفان ہو جاتا ہے 'گویا یہ عرفان ابھی بہت ضعیف ہوتا ہے اسی کو انا کہتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح روح' عقل اور نفس کے لطائف میں سے گزرتے ہوئے بقدر استعداد عقل اور نفس کے خواص کو اخذ کرلیتی ہے 'اس طرح عدم سے گذرتے ہوئے تخریب وفنا کے تاثرات ارر خواص کو بھی ساتھ ملالیتی ہے 'اگر ایسا نہ ہوتا تو جو چیز اس مادی عالم میں ایک دفعہ پیدا ہو جاتی پھر کبھی فنا نہ ہو سکتی۔ عدم کے آخری کنارے پر عالم امر ختم ہو جاتا ہے 'گویا اب تک اس کا وجود محض اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں مستور رہتا ہے 'اب یہ شعاع ہو میں داخل ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہر روح میں مبداء سے معاد تک اس کا پورا مقدر اس طرح پنہاں ہوتا ہے جس طرح بڑ کے رائی برابر بیج میں اس سے پیدا ہونے والے تناور درخت کی پوری زندگی۔ اب لا محالہ یہ روح یا تو دوزخی ہوگی یا جنتی 'اگر دوزخی ہے تو عالم ناسوت کے کسی طبقے میں اس کے لئے کوئی خاص مقام مقرر ہوتا ہے جہاں مادی سفر کے بعد اس کو قیامت تک ٹھہرنا ہے۔ اگر جنتی ہے تو پھر جنت کے عوالم میں سے کسی عالم اور طبقے میں کوئی خاص جنت اس کے لئے ہوتی ہے 'اسی جنت کو اس روح کا مقام محمود کہتے ہیں۔ الغرض عالم امر کے ختم ہونے پر یہ روح عالم مثال کے مبینہ عوالم میں سے گزرتی ہوئی اپنے مقام محمود (یا دوزخی ہو تو عالم ناسوت میں اپنے مقام معاد) تک پہنچ جاتی ہے' یہاں وہ قدرے قیام کرتی ہے تاکہ اس مقام سے روشناس ہو جائے۔ حقیقتاً" اسی مقام پر اس کو وہ وجود عطا ہوتا ہے جس کو بجا طور پر روحانی وجود کہا جا سکتا ہے۔ اب مقام محمود سے روانہ ہو کر باقی عوالم کو طے کرتی اور عالم ناسوت سے گزرتی ہوئی یہ ایتھر میں داخل ہوتی ہے جو مادے کی سب سے لطیف اور آخری حد ہے۔ ایتھر سے یہ حواس پنجگانہ اور دیگر مادی خواص و قویٰ کو بقدر استعداد اخذ کرتی ہوئی کسی نظام شمسی کے آفتاب میں جاتی ہے ' اور اس سے جان یا روح حیوانی کی حرارت حاصل کر کے اس کرے میں پہنچ جاتی ہے جہاں اس کو پیدا ہونا ہے۔ اب وہ بہ انتظام و قضاو قدر کسی کھانے پینے کی چیز مثلاً" پھل' غلہ وغیرہ میں داخل کی جاتی ہے اور وہ

چیز اس شخص کو کھلائی جاتی ہے جو اس کا باپ بننے والا ہے۔ صلب پدر سے یہ رحم مادر میں منتقل ہوتی ہے' نو ماہ وہاں مادی تعمیر میں بسر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد انسان بن کر عالم مادی میں پیکر مادی پہن کر جلوہ افروز ہو جاتی ہے۔ اب جتنی اور جیسی زندگی مقدر ہو بسر کر کے عالم مثال میں اپنے مقام معاد یا مقام محمود کو واپس چلی جاتی ہے اور یوم الحساب تک وہیں مقیم رہتی ہے۔ اس کے بعد جو مالک یوم الدین چاہے گا اس کے ساتھ کرے گا' یہاں یہ بات خاص طور پر غور کرنے کی ہے کہ روح بسیط میں اپنے پہلے سرے سے چل کر یہ شعاع کس طرح درجہ بدرجہ لطیف سے کثیف تر ہوتی نطفہ تک پہنچتی ہے 'نطفہ کیا ہے؟ وہ جرثومہ یا زندہ مادی اجسام کی وہ سب سے پہلی اور لطیف ترین یونٹ جو خوردبین سے بھی بمشکل نظر آتا ہے' یہی جرثومہ مادہ کے پیٹ میں اپنی غذا حاصل کر کے درجہ بدرجہ کثیف ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ مکمل ہو کر شکم مادر سے باہر نکل آتا ہے۔ اب ہم بتائیں گے کہ مرنے کے بعد انسان کی روح سفر آخرت کس طرح طے کرتی ہے؟ اس کے لئے اب ہم کو الٹا سفر کرنا پڑے گا یعنی عوالم میں ترتیب صعودی کا خیال رکھنا ہوگا۔

یہ تو بتایا جا چکا ہے کہ ہمارے عالم مادی سے ملا ہوا عالم ناسوت یا دوزخوں کا عالم ہے۔ اب سنئے کہ اس عالم میں ہماری تحقیق کے مطابق بہتر طبقات ہیں۔ جن میں سے شروع کے چند طبقات میں بے برگ و گیاہ ریگستان اور بیابان اور جلے ہوئے خشک پہاڑ' دہشت ناک جنگل' کھولتے ہوئے پانی کے چشمے اور جھیلیں' آتش فشاں پہاڑ اور آگ سے بھری ہوئی وادیاں ہیں' پینے کے پانی کا کہیں نام و نشان نہیں اور ملتا بھی ہے تو گرم اور کڑوا۔ درختوں میں سوائے زقوم' ناگ پھنی اور خاردار جھاڑیوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اس کے بعد چند طبقات میں کسی قدر ٹھنڈا پانی' سرسبزی اور کچھ بہتر قسم کے جنگل اور آبادیاں ہیں۔ اس کے بعد ہر طبقہ پہلے طبقے سے بہتر ہوتا چلا گیا ہے' حتیٰ کہ بہترواں طبقہ سرسبزی و شادابی میں پچھلے تمام طبقوں سے بڑھا ہوا ہے اور عالم ملکوت کے پہلے طبقے کی جنتوں سے کچھ ہی کم ہے۔ یہ طبقات ناسوت کے بالکل آخری سرے پر واقع ہے۔ اس کے آگے ایک دیوار ہے جس کا نام اعراف ہے' اسی کی نسبت سے یہ طبقہ اعراف کہلاتا ہے۔ دیکھئے سورہ اعراف آیت ۱۴۵ اور سورہ الحدید آیت ۱۳ میں...... ارشاد ہوا ہے۔ اس دیوار کے بعد جنتوں کے عوالم شروع ہوتے ہیں جن میں پہلا عالم ملکوت ہے۔ اعراف اور جنت کے پہلے طبقے میں یہ فرق ہے کہ جنت میں کھانا پینا اور عیش و عشرت کے سامان اعراف سے بہت بہتر ہیں اور بے حد محنت و مشقت سے میسر آتے ہیں' اعراف میں یہ سب چیزیں گھٹیا درجے کی ہیں اور محنت و مشقت سے ملتی ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ اعراف کے لوگ (یعنی روحیں) دوسروں کو اپنے سے بہتر حالت میں دیکھ کر جلتے اور رنج کرتے ہیں' جس کا کرب ان کے لئے عذاب دوزخ ہے' برخلاف ازیں جنت میں ہر شخص (روح)

اپنی حالت پر خوش اور مگن ہے بلکہ دوسرں کو زیادہ اچھی حالت میں دیکھ کراور بھی خوش ہوتا ہے۔ اس طرح جنت میں خوشی ہی خوشی ہے، رنج کانام نہیں۔ کاش ہم دنیامیں بھی یہی عادت اختیار کرلیں تو دنیا بھی جنت سے کم نہ رہے۔

اس بیان کو پڑھ کر بہت سے لوگ کہیں گے کہ اگر یہی امر واقعہ ہے تو پھرمادی اور روحانی عالم میں فرق ہی کیا رہ گیا۔ تو جواب یہ ہے کہ واقعی عالم مثال (برزخ) سارے کا سارا قطعاً" روحانی ہے ہرگز مادی نہیں، لیکن وہاں ہمارا جسم بھی تو روحانی ہو گا اور روحانی جسم کو روحانی عالم کی تمام کیفیات و کمیات مثلاً" راحت، اذیت، سردی گرمی اور نرمی و سختی وغیرہ بالکل ایسی ہی معلوم اور محسوس ہو گی جیسی کہ ہمارے مادی اجسام کو اس مادی عالم میں ہوتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن و حدیث میں عذاب دوزخ اور وہاں کی تکلیف کا جو بیان ہے مثلاً" آگ، کھولتا ہوا پانی، کھانے کو زقوم اور خار دار درخت، پینے کو گرم پانی، لہو اور پیپ وغیرہ وغیرہ تو یہ سب بے معنی ہوتا ہے۔ اسی طرح جنتوں کے بیان میں جو حور و قصور، باغات، ماکولات و مشروبات اور دیگر لذائذ و نعائم کا ذکر ہے وہ بھی کوئی معنی نہ رکھتا۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اپنے کلام پاک میں بیان کیا ہے لفظاً" لفظاً" درست ہے اور ایک مسلمان کو اس پر اسی طرح ایمان رکھنا چاہئے، اس کی اور کوئی توجیہہ نہیں ہے۔

ہاں تو اعراف کے بعد جنتوں کے عوالم شروع ہوتے ہیں جن میں پہلا عالم ملکوت ہے۔ اس کے چھتیس طبقات ہیں جن میں سے ہر طبقہ پچھلے طبقے سے ہر لحاظ سے بہتر اور افضل ہوتا چلا گیا ہے۔ ملکوت کے بعد عالم جبروت اور اس کے بعد عالم لاہوت ہے۔ ان دونوں عوالم میں سے ہر ایک میں اٹھارہ اٹھارہ طبقات ہیں جن میں ہر طبقہ عمارت و امارت، وسعت و رفعت، سرسبزی و شادابی اور نزہت و لطافت میں اپنے پچھلے طبقے سے کہیں زیادہ بہتر و برتر ہے۔ ان جنتوں میں جو محلات، قصور، باغات، نہریں، چشمے، پھل، پھول، ماکولات و مشروبات، حوریں، غلمان وغیرہ ہیں اور جو کیف و سرور اللہ تبارک و تعالیٰ کی تجلیات اور بقا سے حاصل ہوتا ہے ان سب کا بیان بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے، جس کو شبہ ہو قرآن اور احادیث نبوی ﷺ کی طرف رجوع کرے۔

تاریخ اسلام میں صوفیائے کرامؒ کا مقام

(ان کے تبلیغی کارنامے اور دینی خدمات)

(سید ابوالحسن علی ندویؒ)

تاریخ اسلام میں صوفیائے حق نے جو شاندار علمی، دینی اور تبلیغی کارنامے انجام دیئے ہیں وہ اس قدر طویل الذیل ہیں کہ ان کی تفصیل کے لئے جداگانہ تصنیف درکار ہے، اس لئے اس فصل میں ان کی طرف اجمالی اشارات پیش کیے جاسکتے ہیں۔

(1) صوفیائے کرامؒ کا پہلا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی تعلیمات کی حقانیت کو قیل و قال کے بجائے اپنے عمل سے مبرہن کیا۔ ان کی پاکیزہ زندگیاں اسلام کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔

تصوف کے ارکان سہ گانہ

اسلامی تعلیمات کا خلاصہ تین لفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

(ا) محبت الٰہی (۲) مکارم اخلاق اور (۳) خدمت خلق، روح اسلام کے ان اجزائے ثلاثہ میں منطقی ربط یہ ہے۔

(الف) صوفی کی زندگی کا آغاز اور انجام یعنی محور، محبت الٰہی ہے۔ اس کی نظر میں اللہ صرف معبود ہی نہیں ہے بلکہ مقصود بھی ہے، مطلوب بھی ہے اور محبوب بھی ہے۔ وہ اللہ ہی کے لئے جیتا ہے اور اسی کے لئے مرتا ہے۔ اس کا جینا اور مرنا یعنی ساری زندگی اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ اس آیت کی زندہ تصویر ہے۔

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین (6-126)

اے رسول ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ میری نمازیں اور میری رسوم دینی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہے جو ساری کائنات کا خالق اور پروردگار ہے۔

(ب) چونکہ صوفی کا مطمح نظر اور نصب العین اللہ ہو جاتا ہے اس لئے وہ ہر وقت اس کی خوشنودی یا رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ فاسقوں اور فاجروں، ظالموں اور باغیوں کو ناپسند کرتا ہے اس لئے وہ تمام منکرات و فحشاء سے مجتنب رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رذائل اخلاق کا ازالہ ہو کر اس میں مکارم اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں۔ مرشد رومیؒ نے اس نکتے کو یوں بیان کیا ہے۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

یعنی عشق وہ بھٹی ہے جس میں پڑ کر صوفی کندن ہو کر نکلتا ہے۔

(ج) جب عشق کی بدولت اس میں مکارم اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں تو لامحالہ اس کا وجود بنی آدم کے حق میں سراپا رحمت بن جاتا ہے اور وہ صحیح معنی میں ان کی خدمت کا اہل ہو جاتا ہے۔ اب ہم ان ارکان سہ گانہ کو صوفیوں کی زندگی سے واضح کریں گے۔

(الف) محبت الٰہی

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ ایک خط میں اپنے مرید شیخ فخرالدینؒ کو لکھتے ہیں کہ "اصحاب طریقت اور ارباب حقیقت کا اس باب میں اتفاق ہے کہ انسان کی پیدائش سے اہم مطلوب اور اعظم مقصود، رب العالمین کی محبت ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرامؒ نے محبت الٰہی کو اپنی زندگی کا اصلی مقصد قرار دے لیا تھا۔ چنانچہ حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلیؒ اکثر اوقات میں یہ رباعی نہایت سوز و گداز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

دنیا شہ را و قیصر و خاقان را
دوزخ بدرا، بہشت مرنیکاں را
تسبیح فرشتہ را، صفا انساں را
جاناں ما را و جان ما، جاناں را

سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے اپنے مرشد حضرت بابا فریدؒ کو دیکھا کہ اپنے حجرے میں پشت پر دونوں ہاتھ رکھے کھڑے ہیں، قبلے کی طرف چند قدم بڑھتے ہیں اور یہ رباعی پڑھ کر وجد کر رہے ہیں۔

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم
خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی
از بہر تو میرم و برائے تو زیم

یعنی اے اللہ۔ میں تیرا بندہ ہوں اور تو ہی میرا مقصود ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تیرے ہی لئے زندہ رہوں اور تیرے ہی لئے مروں۔

واضح ہو کہ جب ایک مخلص اپنی زندگی اللہ کے لئے وقف کر دیتا ہے تو اس کے باطن میں ایک انقلاب عظیم رونما ہو جاتا ہے۔ پھر ہر کام میں اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے۔ وہ کھانا کھاتا ہے تو اس لئے نہیں کہ اسے لذت حاصل ہو یا اس کا جسم تومند و توانا ہو بلکہ اس لئے کہ وہ اس کا ذکر کر سکے۔ کیا خوب کہا ہے شیخ سعدیؒ نے

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو در گماں کہ زیستن از بہر خوردن است

جب صوفی اس نہج سے زندگی بسر کرنے لگتا ہے تو اس کا ہر قول اور ہر فعل عبادت بن جاتا ہے۔ اس کی تجارت میں مشغولیت بھی عبادت بن جاتی ہے کیونکہ عین خرید و فروخت کے وقت بھی وہ اپنے اللہ کو مد نظر رکھتا ہے۔ وہ تجارت اس لئے نہیں کرتا کہ دولت جمع کرے بلکہ اس لئے کہ جو نفع حاصل ہو اسے راہ خدا میں خرچ کرے۔ یہ آیت انہی خاصان خدا کی شان میں آئی ہے۔

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله (24-37)

"یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت یا خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی"

اس نیت سے اگر لاکھوں کروڑوں روپیہ بھی جمع کیا جائے تو وہ اکتناز کے حکم میں نہیں آسکتا۔ چنانچہ مرشد رومیؒ فرماتے ہیں۔

مال را گر بہر دیں باشی حمول
نعم مال صالح گوید رسول ﷺ

یعنی اگر دولت دینی کاموں میں صرف کرنے کی نیت سے جمع کی جائے تو وہ مال صالح ہے۔ چنانچہ علامہ اقبالؒ لکھتے ہیں۔

گر نداری اندریں حکمت نظر
تو غلام و خواجہ تو سیم و زر
از تہی دستاں کشاد امتاں
از چنیں منعم، فساد امتاں

محبت الٰہی کا انسان پر پہلا اثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ اس کی زندگی میں مرکزیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ موحد [illegible] بن جاتا ہے۔ دوسرا اثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ انسان ہر وقت یہ محسوس کرتا ہے کہ میں خدا کے سامنے ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ شیخ علی ہجویریؒ لکھتے ہیں۔

"جب بندہ از روئے یقین اس بات کو جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے تو وہ ہرگز ایسا کام نہیں کر سکتا جس سے اس کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے"۔

تیسرا اثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ اس شخص (عاشق) کی نگاہ میں پتھر اور سونا دونوں برابر ہو جاتے ہیں' بلکہ اس دنیا ہی کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی۔ وجہ یہ ہے کہ جب وہ شخص اللہ سے محبت کرتا ہے تو اسے بطفیل محبت' عرفان حاصل ہو جاتا ہے اور عارف دنیا کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ یہ دار الغرور ہے کیونکہ بمطابق نص قرآنی' دنیاوی زندگی سراسر "متاع الغرور" ہے یعنی دھوکے کی پونجی ہے۔

عالم اور عارف میں یہی تو فرق ہے کہ عالم اس دنیا کے ظاہر سے واقف ہوتا ہے لیکن عارف اس کی حقیقت سے آشنا ہوتا ہے یعنی وہ دنیا کی حقیقت کو پہچان جاتا ہے۔ چوتھا اثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ سالک میں توکل اور استغناء کی وہ شان پیدا ہو جاتی ہے جس کی بدولت شاہان عالم اس کے آستانے پر حاضری کو اپنے لئے باعث افتخار بلکہ باعث حصول سعادت یقین کرتے ہیں۔ تاریخ ہند کے مطالعے سے یہ صداقت واضح ہو سکتی ہے کہ التمش' غیاث الدین بلبن' فیروز تغلق' اکبر' جہانگیر اور شاہجہان نے عاشقان الٰہی کے آستانوں پر حاضری دی ہے۔ ناظرین کو تاریخ کے اوراق گردانی سے بچانے کے لئے ان عاشقان الٰہی کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کیے دیتا ہوں۔

(الف) التمش' سیدی حضرت اقدس قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا غلام تھا۔

(ب) بلبن' شیخ شیوخ عالم شاہباز لامکان خواجہ فرید الدین گنج شکر اجودھنیؒ کا غلام تھا۔

(ج) فیروز تغلق' حضرت اقدس خواجہ نصیر الدین چراغؒ دہلی کا غلام تھا۔

(د) اکبر' حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کا مرید تھا۔

(ہ) جہانگیر' حضرت اقدس شیخ میاں میرؒ کا معتقد تھا۔

(و) شاہجہان۔ حضرت اقدس شیخ میاں میرؒ اور حضرت شیخ فضل اللہ برہانپوریؒ کا معتقد تھا۔

(ز) سلطان احمد خاں بہمنی' حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ کا غلام تھا۔

(ح) فاتح جوناگڑھ و چانپانیر سلطان محمود الملقب بہ بے گڑھا (دو قلعوں والا) حضرت اقدس سید شاہ عالمؒ (نبیرہ مخدوم جہانیاں) کا غلام تھا۔

(ط) بانی سلطنت گجرات سلطان احمد خاں اول' حضرت اقدس شیخ احمد کھٹوؒ کا غلام تھا۔

ان سب بادشاہوں کا یہ عالم تھا کہ ان فقیروں کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے تھے اور ان کی کفش برداری کو اپنی عزت خیال کرتے تھے۔ جبھی تو اقبالؒ نے یہ لافانی شعر لکھا ہے۔

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پائی میں نے استغناء میں معراج مسلمانی

اور میں پورے یقین کے ساتھ یہ بات لکھ رہا ہوں کہ یہ شان استغناء صرف مسلک تصوف اختیار کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

پانچواں اثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ سالک (عاشق) اپنے رزق کی طرف سے۔ اسی رزق کی طرف سے جس کے حصول کے لئے انسان ضمیر اور ایمان تک بیچ دیتا ہے۔ بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے کیونکہ اسے اس آیت کی صداقت پر کامل یقین ہوتا ہے۔

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا – ویرزقہ من حیث لا یحتسب – ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ (3'2:25)

اور جو شخص اللہ کی نافرمانی سے ڈرے گا تو اللہ اس کے لئے مصیبت سے نکلنے کا راستہ بنا دے گا (اس کی پریشانی دور کر دے گا) اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ پہنچ سکے۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو وہ (اللہ) اسے کافی ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ صوفی کسی دولت مند کے دروازے پر نہیں جاتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ رازق اللہ ہے نہ کہ انسان۔

اکبر الہ آبادی نے اسی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے۔

دل میں تو ضعف عقیدت کو کبھی راہ نہ دے
کوئی کچھ دے نہیں سکتا اگر اللہ نہ دے

اور اقبالؒ نے اسی صداقت کو یوں نظم کیا ہے۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

کشف المحجوب میں حضرت اقدس شیخ ہجویریؒ نے لکھا ہے کہ "ایک بادشاہ نے کسی فقیر سے کہا کہ مجھ سے کچھ مانگ، میں تیری خواہش بخوشی قبول کروں گا۔ فقیر نے زیر لب تبسم کیا اور کہا "میں اپنے غلاموں کے غلام سے کیا مانگوں؟"

بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا "یہ کیا کہا؟" فقیر نے جواب دیا "اے بادشاہ سن۔ تو حرص اور امید دونوں کا غلام ہے اور یہ دونوں میرے غلام ہیں اس لئے تو میرے غلاموں کا غلام ہے۔"

"انسانی کردار کے نشوونما اور تشکیل پر اس احساس کا بڑا مہلک اثر مرتب ہوتا ہے کہ وہ اپنی روزی کے لئے کسی دنیوی طاقت کا محتاج ہے۔ تعمیر خودی اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک انسان اپنے پورے ایمانی جذبے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو اپنا روزی رساں نہ مان لے"۔

(ب) مکارم اخلاق

سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" میری بعثت کی غایت یہ

ہے کہ میں بہترین اور خوب ترین اخلاق کی تکمیل کر دوں۔

اس لیے صوفیائے کرامؒ نے سلوک کو تمام تر مکارم اخلاق کی تحصیل پر موقوف کیا ہے۔ بلکہ بعض مشائخ نے تو تصوف سے اخلاق حسنہ ہی مراد لیا ہے۔

مشائخ کے نزدیک تصوف کا مقصد صرف یہ ہے کہ پہلے انسان خود اپنے اندر اخلاق حسنہ پیدا کرے پھر بنی آدم کے اندر ان کی تخم ریزی کرے چنانچہ سلطان المشائخ فرماتے ہیں۔

"بہت نماز پڑھنا، وظائف میں بکثرت مشغول رہنا، تلاوت قرآن میں بہت مصروف رہنا، یہ سب کام چنداں مشکل نہیں ہیں، ہر باہمت شخص کر سکتا ہے بلکہ ایک ضعیف بڑھیا بھی کر سکتی ہے۔ وہ روزوں پر مداومت کر سکتی ہے، تہجد ادا کر سکتی ہے، قرآن مجید کے چند پارے بھی پڑھ سکتی ہے۔ لیکن مردان خدا کا کام کچھ اور ہی ہے"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام مشائخ متقدمین کے نزدیک تصوف ایک مکمل ضابطہ اخلاق کا نام ہے۔ چنانچہ کشف المحجوب میں شیخ ابوالحسنؒ کا یہ قول مرقوم ہے کہ "لیس التصوف رسوما ولا علوما ولکنہ اخلاق" یعنی تصوف نہ چند رسوم مذہبی ادا کرنے کا نام ہے اور نہ بعض علوم حاصل کرنے کا، بلکہ یہ تو سراسر اخلاق حسنہ کے مجموعے کا نام ہے۔

چونکہ اس موضوع پر آئندہ اوراق میں اکابر صوفیہ کے اقوال درج کئے جائیں گے اس لئے سردست اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(ج) خدمت خلق

اس موضوع پر سب سے پہلے شیخ سعدیؒ کا مشہور شعر درج کرتا ہوں۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

خدمت خلق کی جس قدر صورتیں ممکن ہیں صوفیائے کرامؒ نے ان سب پر عمل کر کے دکھا دیا ہے۔ ان کی زندگیاں خدمت خلق کے لئے وقف ہو گئی تھیں۔ انہوں نے لاکھوں انسانوں کو شیطان کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں داخل کیا یعنی ان کی زندگی کو بامقصد بنا دیا۔ واضح ہو کہ دراصل کار نبوت یہی ہے۔ انبیاء علیہ السلام نے ساری عمر یہی کیا اور ساری عمر یہی کہا کہ اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت یعنی اے اللہ کے بندو۔ اللہ کی اطاعت کرو اور شیطان سے اجتناب کرو۔

صوفیائے کرامؒ نے صحیح معنوں میں اتباع رسول اللہ ﷺ کا نمونہ پیش کیا اور اللہ کے بندوں کو شیطان کی غلامی سے نکال کر اللہ سے ملایا۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ کام نہ علماء سے ہو سکا نہ متکلمین سے نہ

معتزلہ سے نہ حکماء سے نہ فقہاء سے۔ یہ کام اگر ہو سکا تو ان نفوس قدسی سے جن کو صوفیائے اسلام کہا جاتا ہے اور جن کا نام آج بھی لاکھوں کروڑوں انسانوں کے دلوں میں عقیدت اور محبت کے جذبات پیدا کر دیتا ہے۔

صوفیائے کرامؒ کے ملفوظات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے کہ خدمت خلق کو ان بزرگوں نے اپنی زندگی کا اہم ترین فریضہ بنالیا تھا۔ سیرالاولیاء میں مرقوم ہے کہ۔

"سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی جس میں لکھا ہوا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچاؤ کیونکہ مومن کا دل 'اسرار الہٰی' کا محل ہے۔ نیز فرمایا کہ قیامت کے بازار میں کوئی اسباب اس قدر قیمتی نہ ہو گا جس قدر دلوں کو راحت پہنچانا"۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرامؒ بلا امتیاز مذہب و ملت ہر شخص کی دلداری کیا کرتے تھے۔ بلکہ ہر وقت دوسروں کے غم میں گھلتے رہتے تھے چنانچہ جب حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے ایک عزیز حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا کہ میں ایک دعوت میں گیا تھا' وہاں لوگ کہہ رہے تھے کہ شیخ نظام الدینؒ کو بڑا فراغ باطنی حاصل ہے' انہیں اس جہان کا کوئی غم نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا۔

"جس قدر غم اور اندوہ مجھے دامن گیر رہتا ہے شاید کسی کو نہ ہو کیونکہ بہت سے لوگ میرے پاس آتے ہیں اور اپنا درد و غم مجھ سے بیان کرتے ہیں۔ ان کے رنج و غم کا بوجھ میرے دل پر پڑتا ہے"۔

حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان وہ ہے جو دشمنوں کے ساتھ بھی بھلائی کرے۔ ایک دن فرمایا۔

"اگر کوئی شخص تیری راہ میں کانٹا رکھے اور تو بھی اس کے جواب میں اس کی راہ میں کانٹا رکھ دے تو ساری دنیا کانٹوں سے معمور ہو جائے گی۔ عموماً لوگ ایسا ہی کرتے ہیں لیکن درویشوں کا یہ دستور نہیں ہے۔ انہیں نیک اور بد دونوں کے ساتھ نیکی کرنی چاہیے"۔

پھر فرمایا "برا کہنا بے شک برا ہے مگر برا چاہنا اس سے بھی زیادہ برا ہے"۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن گرمی کے موسم میں حاضرین کی تعداد اس قدر زیادہ بڑھ گئی کہ سائے میں جگہ نہ رہی لوگ دھوپ میں بیٹھنے لگے تو فرمایا "آگے سرک آؤ۔ پاس پاس مل کر بیٹھو تاکہ وہ لوگ بھی سائے میں بیٹھ سکیں جو دھوپ میں بیٹھے ہیں۔ بات یہ ہے کہ دھوپ میں بیٹھے وہ ہیں اور جلتا میں ہوں"۔

ایک دن حضرت محبوب الٰہیؒ کے خادم نے عرض کی آپ اگر سحری کے وقت بھی کچھ نہیں کھائیں

گے تو ضعف بہت بڑھ جائے گا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا "بہت سے درویش مسجدوں میں بھوکے پڑے ہوئے ہیں' اس صورت میں کھانا میرے حلق سے کس طرح نیچے اتر سکتا ہے؟"

صوفیائے کرام کے کارنامے

آئندہ اوراق میں صوفیائے کرامؒ کے کارناموں کی تفصیل درج کی جائے گی اس لئے اس جگہ اختصار سے کام لے کر چند اشارات پر اکتفا کرتا ہوں۔

(1) اسلام کی جو پاکیزہ تعلیمات کتابوں میں درج ہیں اور مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں' صوفیہ نے اپنی خانقاہوں میں ان پر عمل کر کے دنیا کو دکھایا۔

(2) صوفیہ نے ہر زمانے میں اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو زندہ رکھا۔

(3) صوفیہ سے بڑھ کر تبلیغ اور تعمیر سیرت کا فریضہ کسی جماعت نے انجام نہیں دیا۔

(4) صوفیہ نے بادشاہوں کے سامنے علی الاعلان کلمہ حقہ کہا۔

(5) جب مسلمانوں میں عقلیت کا مذاق پیدا ہوا اور انہوں نے قرآن کو اپنی عقل کے تابع بنانا شروع کیا تو صوفیوں نے محبت الٰہی کا درس دے کر عقلیت کے مضر نتائج کا ازالہ کیا۔

(6) جب فقہاء نے دین کے ظواہر پر زور دیا تو صوفیہ نے باطنی اصلاح اور قلبی طہارت کا درس دے کر قوم کو اعتدال کی راہ دکھائی۔

(7) صوفیہ نے ہر دور میں غیر اسلامی عقائد' شرک اور بدعت کی تردید کی۔

(8) سرمایہ داری کے مقابلے میں انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت واضح کی۔

(9) بادشاہوں کو دینداری کی تلقین کی۔

(10) جب معتزلہ' فقہاء اور متکلمین منطقی بحثوں میں الجھے ہوئے تھے اور امت کو فرقوں میں منقسم کر رہے تھے' اس وقت صوفیوں نے مسلمانوں کو توحید اور یک نگاہی کا درس دیا۔

(11) جب فقہا مسلمانوں کو آپس میں لڑا رہے تھے اس نازک دور میں صوفیوں نے ان کو محبت اور ہمدردی کا درس دیا۔

(12) فقہاء اور متکلمین نے مسلمانوں کو کافر بنایا مگر صوفیائے کرامؒ نے اپنی پاکیزہ زندگی کے ذریعے سے کافروں کو مسلمان بنایا۔

(13) فقہاء اور متکلمین اور معتزلہ نے مختلف مذہبی گروہ بنا کر مسلمانوں کے شیرازہ ملی کو منتشر کر دیا مگر صوفیہ نے سب مسلمانوں کو جام وحدت پلایا۔

(14) علماء اور فقہاء بادشاہوں کا قرب حاصل کرتے رہے مگر صوفیہ دربار شاہی سے الگ تھلگ رہ کر

ملوکیت کے مقاصد بیان کرتے رہے۔
(15) جب علماء بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے تاویلات میں مشغول تھے اس وقت صوفیہ بادشاہوں کو خوف خدا کا درس دیتے رہے۔
(16) معتزلہ، متکلمین اور حکماء نے اپنا وقت ذات و صفات باری کی بحثوں میں ضائع کیا۔ صوفیہ نے کہا کہ خدا کے باب میں بحث فضول ہے، خدا منطق کے ذریعہ سے نہیں مل سکتا۔ آئینہ قلب کو صاف کرو تاکہ اس کا دیدار ہو سکے۔
(17) علماء نے دینی کتابیں لکھیں۔ صوفیہ نے وہ آدمی تیار کئے جنہوں نے ان کتابوں کے احکام پر عمل کر کے انقلاب برپا کر دیا۔
(18) علماء (متکلمین، معتزلہ، حکماء) نے صرف دماغ کی آبیاری کی، صوفیہ نے دماغ کے ساتھ ساتھ دل کی تربیت اور اصلاح کا فریضہ بھی انجام دیا۔ اور یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ اسلام میں اصلی چیز دل ہے نہ کہ دماغ۔ اگر دل فاسد ہو جائے تو دماغ کا فاسد ہو جانا یقینی ہے۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ "آگاہ ہو جاؤ انسان کے جسم میں ایک عضو ہے، اگر وہ فاسد ہو جائے تو سارا جسم (انسان) فاسد ہو جائے گا اور اگر وہ صالح ہو جائے تو سارا جسم صالح ہو جائے گا اور وہ عضو قلب ہے"۔
(19) علماء نے مسلمانوں میں گروہ بندی پیدا کی۔ صوفیہ نے انسانوں کو "الخلق، عیال، اللہ" کا درس دیا۔
(20) علماء نے دلیلوں سے اسلام کی حقانیت کو واضح کیا۔ صوفیہ نے مشاہدہ باطنی کے ذریعے سے اسلام کی صداقت واضح کی۔
لوگوں نے امام احمد ابن حنبلؒ سے پوچھا کہ بشر حافیؒ تو عالم دین نہیں ہیں پھر آپ ان کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں کتاب اللہ سے آگاہ ہوں مگر بشر حافیؒ، اللہ سے واقف ہیں اس لئے ان کا مرتبہ میرے مرتبے سے بدرجہا زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

مولانا عبدالرحمن (ہندوستان)

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

ضلع جالندھر کی تحصیل نکودر میں میانوال آرائیاں اور میانوال مولویاں دو مشہور بستیاں ہیں۔ میں اول الذکر مقام میانوال آرائیاں میں 20 فروری 1913ء کو پیدا ہوا۔ میرا نام رام سرن رکھا گیا۔ میرے باپ کا نام لالہ نند لال تھا۔ ہماری ذات ریہان کھتری تھی۔ ہمارا خاندان اس علاقے میں خاصا مشہور، صاحب حیثیت اور بااثر تھا۔ سرکار دربار میں اچھا رسوخ تھا۔ مذہباً ہم سناتن دھرمی تھے۔ ہمارے ہاں ساہو کارہ، تجارت اور زمینداری کا کام ہوتا تھا۔ اور علاقے کی سرداری بھی تھی۔ دادا جان نے اڑسٹھ برس سرداری کی تھی۔

مروجہ طریقے کے مطابق میری تعلیم شروع ہوئی۔ 1931ء میں، میں نے شاہ کوٹ سے انگلش مڈل پاس کیا اور اول درجے میں کامیاب ہوا۔ پھر مزید تعلیم حاصل کرنی چاہی مگر کچھ مواقع ایسے رہے کہ تعلیم حاصل نہ کر سکا اور تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مجھے بچپن ہی سے مذہب سے لگاؤ تھا اور دل تلاش حق کا جویاں تھا۔ میری بستی کے لوگ سناتن دھرمی تھے۔ مجھے شرک و بدعات سے طبعاً نفرت تھی۔ چنانچہ جب میں چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا اسی زمانہ میں میرے دو تایا زاد بھائی لالہ دینا ناتھ اور لالہ گردھاری لال بسلسلہ تجارت جالندھر اور فیروز پور میں ایک سال یا آٹھ ماہ رہ کر گھر واپس آئے۔ اس زمانے میں مذہبی مباحثے اور مناظرے عام ہوتے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ انہوں نے یہ مناظرے سنے، اگر سنے تو مذہب کے متعلق کیا معلومات حاصل کیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ مخلوق بحیثیت مخلوق نہ ہم کو کوئی نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان اور یہ اختیار صرف بھگوان (خدا) کو ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آریہ سماج کے خیالات سے متاثر ہو چکے تھے۔

میرے بھائیوں کی یہ بات میرے ذہن میں بیٹھ گئی اور میں نے اس کا تجزیہ شروع کیا۔ ہمارے گاؤں کے قریب سید پور کی ایک بستی تھی۔ "بابا سید رانا" کی قبر تھی جس پر دور و نزدیک سے ہندو، مسلمان، سکھ بھی نذریں چڑھاتے تھے۔ ہمارے گھر سے بھی نذر جاتی تھی۔ میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب میرے ذریعے سے کوئی چیز بطور نذر قبر پر بھیجی جاتی تو میں بجائے قبر پر چڑھانے کے خود

چٹ کر جاتا تھا اور اس قبر پر جو پیسے وغیرہ ہوتے وہ بھی اٹھالیتا۔ اس عمل سے مجھے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اس طرح میرا دل مضبوط ہو گیا۔

میں پانچویں جماعت میں تھا کہ ایک مرتبہ ڈپٹی صاحب اسکول میں معاینے کے لئے آئے۔ اساتذہ نے سکول کو خود سجایا۔ ہر جماعت کے کتبے لگائے گئے۔ ہماری جماعت کے استاد روشن خان نے کتاب میں سے مندرجہ ذیل اشعار لکھے۔

چار دن کی زندگی ہے آپ کو ہے اختیار
دوستی کر لیجئے یا دشمنی کر لیجئے
آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

ان اشعار کا میرے دل پر خاص اثر ہوا۔ ہماری پانچویں جماعت کے ایک استاد بے انت سنگھ تھے۔ وہ بالعموم طلبہ کو نیکی کے کاموں کی رغبت دلاتے تھے۔ انہوں نے طلبہ سے ایک ڈائری بنانے کے لئے کہا اور بتایا کہ اس ڈائری میں نیکی کا وہ کام لکھا جائے جو کیا جائے تاکہ اس طرح نیک کام کرنے کی عادت پڑ جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی بڑا کام نہ کر سکو تو کم از کم راستے میں سے اینٹ اور پتھر ہی ہٹا دو۔ استاد بے انت سنگھ کی باتوں نے بھی مجھے متاثر کیا اور مجھے نیکی سے محبت ہوتی چلی گئی۔ پھر جب میں نے فارسی پڑھنی شروع کی اور کتاب میں اس طرح کے اشعار پڑھے۔

از مکافات عمل غافل مشو،
گندم از گندم بروید جو ز جو

تو ان اشعار اور اساتذہ کی نصیحتوں کے نتیجے میں میرے دل و دماغ میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ نیک کاموں کا بدلہ نیک ہے اور برے کاموں کا بدلہ برا ہے۔

تعلیم چھوڑنے کے بعد میں مطالعہ بھی کرتا تھا اور غور و فکر بھی۔ بت پرستی سے مجھے شروع ہی سے نفرت تھی اور اب میں اپنے معاشرے کے قریب ہو گیا تھا۔ شرک و بدعات اور مراسم پرستی سے مجھے سخت بے زاری تھی اور میں اپنے معاشرے کا باغی تھا۔ میں نے آریہ سماج کی کتابوں کا مطالعہ کیا ستیارتھ پرکاش کو پڑھا اور نظریاتی طور پر میں نے آریہ سماج کے اصول قبول کر لئے مگر دل اب بھی مطمئن نہیں تھا۔

اس کے بعد میں اپنے تجارتی نیز دوسرے مشاغل میں مصروف رہا، مگر تلاش حق کا جذبہ برابر

کار فرما رہا۔ اب میں نے ہر قسم کا مذہبی لٹریچر پڑھا، لیکچر اور وعظ سنے مگر کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جو مجھے مطمئن کر سکتا۔ اب میرا مطالعہ بہت وسیع ہو گیا تھا اور میں حق بات علی الاعلان کہہ دیتا تھا۔ اس وجہ سے لوگ میری عزت کرنے لگے تھے اور میری حق گوئی سے متاثر بھی تھے بلکہ بالعموم مجھے متنازعہ فیہ مسائل میں ثالث و حکم بھی بنانے لگے تھے بلکہ بعض مذہبی معاملات میں بھی میری رائے کو وقیع سمجھنے اور ماننے لگے۔

ستیارتھ پرکاش میں آریوں کے لئے دس اصول لکھے گئے ہیں۔ ان میں سے چھٹے اصول پر مجھے شک ہوا اور وہ اصول میری نظر میں بالکل باطل ٹھہرا اور اب میں آریہ سماج سے بھی متنفر ہو گیا۔ اب میں نے اسلامی کتب کا خاص طور سے مطالعہ شروع کیا۔ میانوال مولویاں میں ایک فارغ التحصیل طالب علم تھے۔ بعض مباحث میں جب میں ان سے رجوع کرتا تھا تو وہ مجھے مطمئن نہ کر سکتے تھے۔ اسی دوران میں نے اپنے ایک ہم جماعت ولی محمد سے کہا کہ میں اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ میرے بھائی علی محمد سے گفتگو کرو۔ وہ آپ کو معلومات بہم پہنچا سکیں گے۔ میں جب علی محمد صاحب کے پاس گیا تھا تو وہ ایک ضروری کام میں مصروف تھے۔ مگر وہ میری طرف فورا" متوجہ ہوئے۔ میں نے گوشت خوری پر اعتراض کیا کہ یہ جانوروں پر سراسر ظلم ہے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا سبزیوں میں روح ہے یا نہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے کہا کہ پھر تو سبزی خور بھی "جیو ہتیا" کے مرتکب ہوئے۔ ان کے اس جواب سے میں سوچ میں پڑ گیا۔ میں کئی مہینے تک ان کے پاس جاتا رہا۔ وہ میرے بہت سے سوالوں اور اعتراضات کے تسلی بخش جواب دیتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھے اطمینان کی منزل تک پہنچا دیا اور اب میں اسلام کو سچا مذہب سمجھنے لگا۔ ایک روز میں نے اپنے باپ سے اس سلسلے میں گفتگو کی اور ان سے کہا

میں ---- بھیا! میں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ اور تحقیق کی ہے اور اس سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسلام سب سے بہتر مذہب ہے۔

باپ ---- بیٹا! سب مذہبوں کا مدعا اور مقصد ایک ہے لیکن لوگوں نے جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے ان کو مسخ کر دیا ہے۔

میں ---- اسلام میں عبادت اور اس کا طریقہ نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ ہے، اس کی مثال کوئی دوسرا مذہب نہیں پیش کر سکتا۔

باپ ۔۔۔ میں مانتا ہوں کہ ایسی پاکیزہ عبادت کسی اور مذہب میں نہیں ۔۔۔ اس کے بعد میں نے اس گفتگو کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا' مگر میں علی محمد صاحب کے پاس برابر آتا جاتا رہا۔ اب میری ذہنی کیفیت عجیب تھی۔ میں برابر اسلام کے بارے میں سوچا کرتا تھا۔ رات کو جب سوتا تو دیکھتا کہ ایک سفید پرندہ میرے اوپر سے اڑ کر جاتا ہے۔ یہ کیفیت مہینوں رہی۔ میں اکثر خواب میں پرواز کرتا تھا اور دہلی کی طرف جاتا تھا۔ یہاں ایک بات کا ذکر اور ضروری سمجھتا ہوں کہ کپور تھلہ کی جامع مسجد کو دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا تھا۔ یہ ایسی نفیس اور عالی شان مسجد تھی کہ جس کو میں گھنٹوں دیکھا کرتا تھا۔ بات یہ تھی کہ وہ مسجد جامع مسجد دہلی کے نقشہ کے مطابق نئے مسالہ سے بنی تھی۔ چونکہ میں ابھی باقاعدہ داخل اسلام نہیں ہوا تھا' لہٰذا میں نے مسجد میں داخلہ کا یہ حل نکالا کہ مسجد میں جا کر حوض پر بیٹھتا اور وضو کرتا رہتا۔ اس طرح مسجد کو دیکھتا رہتا تھا۔

میں اپنے مسلمان دوستوں اور خصوصاً شیخ نظام الدین درزی سے برابر ملتا رہتا تھا اور اسلام کی تعلیمات حاصل کرتا تھا۔ ایک روز میرے بڑے بھائی نے جو نہایت زیرک اور قیافہ شناس تھا' مجھے وضو کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ مجھ سے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ ہاتھ منہ دھو رہا ہوں۔ میرے مولوی صاحب جن کے پاس میں عربی پڑھنے جاتا ہوں' وہ اسی طرح ہاتھ منہ دھوتے ہیں۔ یہ سن کر بھائی نے کہا کہ عربی پڑھنے مت جایا کرو۔ مگر اب تو میں نے نماز بھی سیکھنی شروع کر دی تھی اور مجھے سورہ اخلاص وغیرہ یاد ہو گئی تھیں۔

ایک دن میں سو کے اٹھا تو بے اختیار میرے منہ سے لا الہ الا اللہ نکلا۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اسلام میں سچی اور پکی توحید موجود ہے۔ اب رسالت کا معاملہ رہ گیا۔ ہمارے پڑوس کے ایک گاؤں میانوال (مولویاں) میں مولوی جلیل الرحمن ایک حنفی عالم رہتے تھے۔ میں نے ان سے رابطہ قائم کیا اور مذہبی مباحث پر گفتگو کرتا۔ شیعہ اور قادیانی لٹریچر بھی میں نے خوب پڑھا اور ان فرقوں کے متعلق مجھے بہت سی معلومات حاصل ہو گئیں اور میں ان کی اصلیت و حقیقت سے پوری طرح واقف ہو گیا۔ شیخ نظام الدین اور ان کے بھانجے خوشی محمد سے میرا رابطہ اور ملاقاتیں برابر جاری رہیں۔ یہ لوگ اہل حدیث تھے۔ میرا رجحان بھی اہل حدیث مسلک کی طرف ہو گیا۔ بلکہ ایک مرتبہ مجھ سے مولوی جلیل الرحمان سے تقلید و عدم تقلید کے مباحث پر گرما گرم بحث اور تلخی بھی ہو گئی۔ میں نے اہل حدیث مسلک کی زوردار طریقے سے حمایت کی۔

اب میں نماز یاد کر چکا تھا اور ضروریات دین سے پوری طرح واقف ہو چکا تھا۔ ایک روز میں

ظام الدین صاحب کی دکان پر گیا اور ان سے کہا کہ اب میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اپنے اسلام کا علان کر دوں اور علی الاعلان فرائض اسلام بجالاؤں اور میں نے یہ طے کیا ہے کہ میں اپنے اسلام کا علان جامع مسجد دہلی، جامع کپور تھلہ، امرتسر لاہور میں کروں۔ میری اس گفتگو کو سنتے ہی شیخ نظام لدین نے فورا" اپنی دکان کا دروازہ بند کر لیا اور کہنے لگے کہ ایسی گفتگو آہستہ سے کیجئے۔ اگر کہیں نہارے خاندان والوں کو پتہ چل گیا تو میرا سر پھوڑ دیں گے اور میرے گھربار کو تباہ و برباد کر دیں گے۔

اس کے بعد طے ہوا کہ خوشی محمد سے مشورے کے بعد اگلا قدم اٹھایا جائے، چنانچہ مجلس شاورت منعقد ہوئی اور طے پایا کہ دہلی جا کر میں اپنے اسلام کا اعلان کروں، چنانچہ 8 ذی الحجہ 135ھ بمطابق 3 اپریل 1933ء کو ایک بجے خوشی محمد کی معیت میں اپنے گھر سے نکلا، گویا کفرو ضلالت کی دنیا کو خیرباد کہا اور اسلام و ایمان کی طرف بڑھا۔ دنیا کے سارے رشتے توڑے اور اللہ سے رشتہ جوڑا۔

میں نے اس سے پہلے اپنے والد کو سارا حساب کتاب جو مجھ سے متعلق تھا، سونپ دیا تھا اور جو رقم میری تحویل میں تھی وہ ان کے سپرد کر دی تھی۔ صرف آٹھ روپے ساڑھے چودہ آنے جو میری ذاتی پونجی تھی، وہ اپنے پاس رہنے دیئے۔ یہ میرا کل اثاثہ تھا۔ رات کو ہم نے شاہکوٹ میں قیام کیا، سلمانوں کا محلہ تھا۔ سڑک کے کنارے سوئے۔ وہیں خوشی محمد نے قاضی سلیمان منصور پوری مرحوم کی کتاب رحمتہ اللعالمین کی پہلی جلد لا کر دی۔ میں نے اس جلد کا خاص طور پر وہ حصہ پڑھا جو صحابہ کرام کے اسلام لانے اور مصائب و آلام برداشت کرنے اور ثابت قدم رہنے سے متعلق تھا۔ تقریبا" نوے صفحات تھے۔ رات کو گائے کا گوشت پکا کر کھایا اور اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں کیں۔ صبح سات بجے ہم شاہ کوٹ سے دہلی روانہ ہو گئے۔ راستے میں نکودر میں ایک صاحب مولوی محمد عیسیٰ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جب ان کو میرے عزائم معلوم ہوئے تو انہوں نے کہا کہ مسلمان ہونے کے بعد داڑھی رکھنی پڑے گی۔ میں نے کہا ضرور رکھوں گا۔

شام کو ساڑھے آٹھ بجے دہلی پہنچے۔ خوشی محمد مجھے مولوی عبدالوہاب ملتانی کے مدرسے میں لے گئے۔ اس وقت وہاں نماز عشاء ہو رہی تھی۔ نماز کے بعد خوشی محمد نے مولوی عبدالستار صاحب سے میرا تعارف کرایا اور مقصد بیان کیا کہ وہ مجھے باقاعدہ مسلمان کر لیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اب اسی طرح سلا دو، صبح ترجمہ قرآن کریم سنانے کے بعد مسلمان کریں گے۔

میرے دل پر اس کا برا اثر ہوا کہ اس کام میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے تھی۔ مبادا میرا ارادہ بدل جاتا۔ بہر حال ایک رات اور مجھے غور کرنے کا موقع مل گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں اختلاف ہیں مجھے سب سے اقرب الی الحق فرقہ کی طرف رہنمائی فرما۔ رات کو مجھے اطمینان ہوا کہ میں اہل حدیث مسلک کو اختیار کراوں۔ ساتھ ہی میں نے دعا کی۔ "خدایا۔ میں بالکل کنارے پر کھڑا ہوں۔ مجھے حق کی روشنی دکھا" رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مجمع عام ہے۔ اس میں اسلام کی حقانیت پر مباحثہ و مناظرہ ہو رہا ہے جس میں اسلام پر تقریر کرنے والا شخص مظفرو منصور ہوا ہے۔ چنانچہ جب میں بیدار ہوا تو میرے دل کو سکون اطمینان تھا اور میں نے سمجھ لیا کہ اسلام دین حق ہے۔

صبح اذان ہوئی تو میں نماز میں شریک ہوا۔ نماز کے بعد مولوی عبدالستار صاحب کا درس قرآن ہوا۔ اور کے بعد انہوں نے مجھے باقاعدہ مسلمان کیا اور میرے اسلام کا اعلان عام ہوا۔ مولوی صاحب نے میرا نام عطاء اللہ تجویز کیا جو ایک سال تک جاری رہا مگر مجھے اپنا نام ارشاد اللہ پسند تھا۔ مگر جب میں نے حدیث میں پڑھا کہ اسلام میں پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں تو میں نے اپنا نام عبدالرحمن رکھ لیا اور اب میں اسی نام سے مشہور ہوں۔ میری زندگی کا یہ عظیم واقعہ (قبول اسلام یا اعلان اسلام) 4 اپریل 1933ء بمطابق 7 ذی الحجہ 1351ھ کو ہوا۔ اللہ یھدی من یشا۔ میں نے جامع مسجد دہلی کے امام صاحب سے اپنے اسلام لانے کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا اور وہ سرٹیفکیٹ خوشی محمد صاحب کو دے دیا تاکہ ان پر کوئی مصیبت نہ پڑے۔ ساتھ ہی میں نے اپنے اہل خاندان کو بذریعہ ڈاک مطلع کر دیا کہ بلا کسی کی جبر و اکراہ کے برضا و رغبت میں نے اسلام کو دین حق سمجھتے ہوئے اسے قبول کیا ہے۔ اس میں کسی کی ترغیب و تحریص و تخویف کو مطلق دخل نہیں تھا۔ میرے اس فعل کا کوئی شخص محرک و ذمہ دار نہیں ہے۔ اس کے بعد یہ معاملہ ختم ہو گیا۔ البتہ میری بہن سودھابی زوجہ لالہ کشوری لال ساکن کپور تھلہ نے جو اس وقت دہلی میں مقیم تھی، ضرور ہاتھ پاؤں مارے۔ اس زمانے میں اس نے تقریباً نو سو روپیہ خرچ کیا۔ مختلف اسکیمیں اور منصوبے بنائے، مجھے اغوا کرانا چاہا مگر سب بے سود ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر میری حفاظت اور مدد فرمائی۔

اب میں نے دہلی میں سکونت اختیار کر لی اور مدرسہ دارالکتاب والسنہ میں پڑھنے لگا۔ میرے اسلام لانے کے ایک سال آٹھ ماہ بعد میرے رشتہ کی بات چیت ہوئی۔ مولانا عبدالستار دہلوی مرحوم کی بڑی پھوپھی کی پوتی اور چھوٹی پھوپھی کی نواسی کے ساتھ میری شادی ہو گئی۔

میں نے مسجد فتح پوری کے مدرسے میں بھی تعلیم حاصل کی۔ کچھ دنوں مدرسہ صدیقیہ میں بھی پڑھا۔ جب میں فارغ التحصیل ہو گیا تو مدرسہ دارالکتاب والسنہ میں باقاعدہ تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ شروع شروع میں مجھے پڑھانے میں دقت ہوئی' لہٰذا میں مولانا عبدالجلیل صاحب کے پاس سامرود (ضلع سوات) چلا گیا۔ ان کے پاس میں نے پھر تمام کتابیں پڑھیں۔ اب مجھے اپنے اوپر اعتماد ہو گیا اور بانشرح خاطر پڑھانے لگا۔ چھ ماہ میں نے مدرسہ اوڈنوالہ (ضلع لائل پور) میں بھی پڑھایا۔ اس کے بعد میں دہلی آ گیا۔ دو سال تک میں پھر مدرسہ دارلکتاب والسنہ میں پڑھاتا رہا۔ اس کے بعد میں نے دہلی میں مسجد نیم والی (پہاڑ گنج) میں اپنا مدرسہ محمدیہ قائم کر لیا اور کتابوں کی تجارت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ ستمبر 1947ء تک میرا یہی مشغلہ رہا۔

تقریباً" چھ سال میں دہلی میں "صحیفہ اہل حدیث" کا مینجر رہا۔ مولانا محمد اسماعیل (گوجرانوالہ) اور میرے درمیان ایک بحث تقریباً" آٹھ ماہ جاری رہی۔ بحث یہ تھی کہ مسلمان کو اپنے لئے بحیثیت مسلمان کیا کہنا چاہیئے۔ مسلمان یا اہل حدیث' میں کہتا تھا کہ مسلمان کہنا چاہیئے۔ مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالوی کہتے تھے کہ اہل حدیث' مولانا عبیداللہ (شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ دہلی) حکم قرار پائے۔ انہوں نے کہا کہ میں تو عبدالرحمٰن کی رائے سے متفق ہوں۔ میں نے مولانا عبیداللہ صاحب سے علم حدیث کا درس دینا سیکھا ہے۔ بخاری شریف اور ترمذی شریف کا درس مولانا عبیداللہ صاحب ہی نے مجھے سکھایا۔

قیام پاکستان کے بعد جب دہلی میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا تو میں نے اپنے اہل و عیال کے ہمراہ پاکستان ہجرت کی اور 7 نومبر 1947ء کو لاہور آ گیا۔ دس ماہ منٹگمری میں رہا' پھر مدرسہ ڈھلانہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ یہ سلسلہ 28 فروری 1948ء تک رہا۔ اس کے بعد میں کراچی آ گیا اور جماعت اسلامی کراچی کا ناظم دفتر مقرر ہوا اور ایک مسجد میں بلا معاوضہ خطابت کے فرائض بھی انجام دیتا رہا۔ جماعت اسلامی کے بعض حضرات سے کچھ اختلاف ہو گیا' لہٰذا میں نے علیحدگی اختیار کر لی۔

میرے چار بیٹے (1) عبدالمنان (2) حبیب الرحمان (3) خلیل الرحمان اور (4) عبید الرحمان ہیں۔ اول الذکر جیالوجسٹ ہیں اور اس وقت امریکہ میں ہیں۔

اخلاص اور اس کی فضیلت و حقیقت

(ابو حامد الغزالی)

اسلاف کا کہنا ہے کہ عالم کی دو رکعت نماز جاہل کی سال بھر کی عبادت سے افضل ہے اس واسطے کہ جاہل اپنے عمل کی آفتوں کو نہیں پہچان سکتا اور اغراض سے عمل کی آمیزش کیسے پاک ہو اسے معلوم نہیں وہ بے چارہ سب ہی اعمال کو خالص سمجھتا ہے اس لئے کہ عبادت کا کھوٹا پن سونے کے کھوٹے پن کی مانند ہے اور کبھی صراف بھی سونا پرکھنے میں غلطی کر گزرتا ہے البتہ کامل صراف اسے پرکھ لیتا ہے رہ گئے جاہل تو اتنی بات وہ بھی جانتے ہیں کہ سونا وہی ہے جو زرد رنگ کا ہو اور عبادت کا کھوٹا پن جس سے اخلاص ضائع ہوتا ہے اس کے چار درجے ہیں بعض ان میں سے بہت پوشیدہ ہیں ان درجات کو ہم ریا کی صورت پر فرض کرتے ہیں تاکہ ان کا حال معلوم ہو سکے۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ نماز پڑھتا ہو اسی حالت میں لوگ آ جائیں شیطان اس سے کہے کہ اچھی طرح نماز پڑھ تاکہ لوگ ملامت نہ کریں یہ تو ظاہری ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ نمازی اس شیطانی فریب کو پہچان کر اس سے احتراز کرے۔ شیطان اس طرح دھوکہ دے کہ میاں تو اچھی طرح نماز پڑھ تاکہ لوگ تیری اقتدا کریں اور تجھے ان کی اقتدا کا ثواب حاصل ہو تو ممکن ہے کہ نمازی اس فریب کا شکار ہو جائے اور اتنا خیال نہ کرے کہ اقتدا کا ثواب اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ اس کے خشوع کا نور دوسروں میں سرایت کرے اور جب اس میں خشوع ہی نہ ہو لیکن مقتدی خاشع سمجھیں تو انہیں تو ثواب ہو گا لیکن یہ نفاق کے جرم میں ماخوذ ہو گا۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس کا خیال یہ ہو کہ خلوت میں برملا نماز پڑھنے کے برخلاف نماز پڑھنا نفاق ہے اور خلوت میں اچھی طرح نماز پڑھنے کی کوشش کرے تاکہ لوگوں کے سامنے بھی اس طرح پڑھ سکے یہ درجہ بہت پوشیدہ ہے اور ریا بھی ہے مگر اس ریا کا تعلق اپنے سے ہی ہے اس لئے کہ اپنے آپ ہی سے شرم محسوس کرتا ہے کہ تنہائی میں جماعت کے برخلاف نماز پڑھے تو جماعت میں اچھی طرح پڑھنے کے واسطے تنہائی میں بھی اچھی طرح پڑھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ برملا ریا کرنے سے میں چھوٹ گیا لیکن ہو گا تنہائی میں ریا کار ہی۔

چوتھا درجہ بہت ہی پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ تو جانتا ہو کہ خلوت اور جلوت میں مخلوق کے واسطے

خشوع سے کام لینا کچھ بھی کام نہیں آتا اور شیطان کہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال کر، کیا تجھے خیال ہے کہ کس کے سامنے کھڑا ہے حتیٰ کہ وہ شخص یہ خیال کر کے خاشع ہو جائے اور لوگوں کی نظروں میں آراستہ ہو جائے اگر خلوت میں ایسا خطرہ اس کے دل میں نہیں آتا تو لوگوں کے سامنے ایسا خطرہ آنے کا سبب ریا ہے جب اس وقت کی عظمت کو آدمی یاد کرتا ہے جس وقت مخلوق ذرہ برابر کام نہیں آئے گی تو یہ خطرہ جاتا رہتا ہے انسان کو چاہیئے کہ سب آدمیوں اور چارپایوں کی نظر اس کے نزدیک برابر ہو جائے جب تک کچھ بھی فرق محسوس کرے گا اس وقت تک ریا سے خالی نہیں ہو گا۔ یہ مثالیں جو ہم نے بیان کیں اسی طرح کے بہتیرے دھوکے ان اغراض میں بھی ہوتے ہیں جو اوپر ذکر ہوئیں اور جو شخص ان باریکیوں کو نہیں پہچانتا اسے عبادت کا اجر نہیں ملے گا وہ مفت میں اپنی جان گنواتا ہے جو کچھ کرتا ہے ضائع ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ایسے ہی لوگوں کے حق میں ہے۔ ویدالھم من اللہ مالم یکونوا یحسبون "یعنی ان کے لئے وہ کچھ ظاہر ہو گا اللہ کی طرف سے جس کا انہیں گمان تک نہیں۔

فصل جب نیت میں آمیزش آ گئی تو اگر ریا یا کوئی دوسری خواہش عبادت کی نیت پر غالب آ گئی تو یہ چیز عقوبت کا سبب ہو گی برابر قصہ ہوا تو نہ عذاب ہو گا نہ ثواب اور ریا کی نیت ضعیف ہو گی تو اگرچہ وہ عمل تو وہ عمل ثواب سے خالی نہ ہو گا لیکن کم ہو گا کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نیت میں شرکت ہو اور خلوص نہ رہے تو اللہ کا حکم ہو گا کہ جا کر اس سے اجر مانگو جس کے لئے تم نے یہ کام کیا تھا اسی سے اجر مانگ۔ اور جہاں حدیث عذاب کی دلیل ہے وہاں یہ مراد ہے کہ عمل میں بالکل ریا پیش نظر ہو یا غالب ہو لیکن اگر باعث اصلی تقرب الٰہی کا قصد ہو اور ریا وغیرہ کی نیت ضعیف ہو تو چاہیئے کہ ثواب ملے اگرچہ اتنا نہ ملے جتنا صحیح نیت پر ملتا ہے یہ امر دو دلیلوں کی وجہ سے ہم نے اختیار کیا ہے ایک تو یہ کہ ہمیں برہان سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی حاضری سے دلی شائستگی کی محرومی ہی عقوبت ہے اور یہ اسی آتش حجاب میں جلنے کا سبب ہوتی ہے اور قرب الٰہی کا قصد سعادت کا بیج ہے جب کہ دنیا کا قصد شقاوت کا باعث ہے جب اس نے ان دونوں قصدوں کی مدد کی تو گویا انہیں قبول کر لیا ایک تو بارگاہ الٰہی سے اس کی دوری کا سبب دوسرا اس کی قربت کا موجب، جب دونوں قصد برابر ہوں تو ایک قصد اسے بالشت بھر دور کر دیتا ہے، دوسرا بالشت بھر نزدیک۔ اس صورت میں یہ جہاں تھا وہی آ گیا اور اگر آدھی بالشت نزدیکی نصیب ہوئی تو کچھ دوری رہ جائے گی اور

آدھی بالشت دوری حاصل ہوئی تو کچھ نزدیکی باقی رہ جائے گی جیسے کوئی بیمار گرم دوا کھا کر اسی قدر سرد دوا کھائے تو دونوں مل کر برابر ہو جائیں گی اگر سرد دوا کم مقدار میں کھائے گا تو حرارت زیادہ ہو جائے گی اور جو سرد دوا زیادہ کھالی تو حرارت کم ہو جائے گی دل کی روشنی اور تاریکی میں گناہ اور اطاعت کا اثر ایسا ہے جیسے بدن کے مزاج میں دواؤں کا اثر گناہ اور اطاعت ایک ذرہ بھی ضائع نہ ہوں گے۔ عدل کی ترازو میں کمی بیشی کھل جائے گی سورہ زلزال کے آخر میں فمن یعمل مثقال ذرہ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ کے یہی معنی ہیں لیکن احتیاط ہوشیاری کی دلیل ہے کہ شاید غرض کا قصد قوی ہو اور آدمی اسے ضعیف خیال کرے اور عمل کی سلامتی اسی میں ہے کہ نفسانی اغراض کا دخل ہی نہ ہونے پائے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بالاجماع یہ بات ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص حج کی راہ میں تجارت کا بھی قصد کرے تو اس کا حج ضائع نہیں ہو گا۔ اگرچہ ثواب مخلص کے ثواب کے برابر نہ ہو مگر چونکہ اس کا اصلی قصد حج ہے اور تجارت کا ارادہ اس کے تابع ہو تو اس کا ثواب بالکل اکارت نہیں ہو گا لیکن ناقص ضرور ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص اللہ کے لئے جہاد کرنا چاہے اور دو طرف جانا ممکن ہو ایک طرف مالدار کفار ہوں وہاں غنیمت کا احتمال ہو دوسری طرف محتاج کافر ہو اور یہ مالدار کافر کی طرف ہو جائے تو اس کا ثواب ضائع نہ ہو گا اس لئے کہ غنیمت پانے نہ پانے میں آدمی فرق کرتا ہے۔ ممکن ہی نہیں کہ اس فرق کو اپنے باطن میں نہ پائے اور اگر معاذ اللہ مال غنیمت شرط جہاد ہو تو ثواب میں خطرہ اور ڈر ہے اس واسطے کہ ایسی شرط سے کوئی عمل درست نہیں ہوتا خصوصاً" مجلس درس و تصنیف اور جو اعمال مخلوق سے متعلق ہیں۔ کیونکہ جب تک آدمی کو دفعتاً" خودی سے اللہ میاں نکال نہ دے تب تک وہ ایسی خیال سے خالی نہیں ہوتا۔ مثلاً" اس کی تصنیف کو دوسرے کی طرف منسوب کریں اور اس کے کلام کی دوسرے کی طرف نسبت کریں اور وہ اس بات سے آگاہ ہو جائے تو اگرچہ یہ آگاہی اسے بری معلوم ہو لیکن اگر خودی اور نفسانیت اس میں باقی ہو گی تو اسے اس کا خیال ہو گا اور دوسرے کی طرف کرنے کا ملال ہو گا۔

رب رحیم و کریم

(مسرت افغاری)

قارئین لمحہ موجود اس قدر تیز رفتار پر انتشار ہے کہ کسی کو پل بھر رک کر یہ سوچنے کی زحمت نہیں جس رب رحیم و کریم کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں' لا محدود شفقتیں اور محبتیں ہیں' بے حساب کرم ہیں کبھی دو کھرے سجدے اس کے نام بھی کر دیں' دو گرم گرم اصلی اور خالص آنسو اس کی یاد میں بھی بہا دیں' ہم افراتفری کے سجدے تو بہت کرتے ہیں' اپنی آرزوؤں کی تشنگی پر آنسوؤں کے سمندر بھی بہا دیتے ہیں لیکن جو سچی سچائی' کھری لگن امر محبت' جو زمین بوس پیشانیاں اسے ہم سے درکار ہیں بلکہ خود ہمیں ہماری آخرت کی سنوار کے لئے درکار ہیں وہ سب کچھ ہم بھلا چکے ہیں' ہم مٹی کے بوتے خود کو خود ہی پوج رہے ہیں' ہماری ذاتی پرستش ہی ختم نہیں ہو چکتی وہ ہمارے کسی سجدے کا محتاج نہیں' ہمارے کسی فکر و تدبر اور سوچ بچار کی اسے ضرورت نہیں ہم ہی پل پل اس کی نظر کرم کے محتاج اور اس کی بخشش کے فقیر ہیں وہ ہم سب خطاکاروں پر رحم نہ فرمائے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ میں اکثر ایسی باتیں سوچتی رہتی ہوں آج کچھ ایسی ہی سوچیں نذر قارئین ہیں۔

☆ دنیا میں سب سے بڑا اور سب سے کڑا یقین اللہ تعالیٰ کی غائب الوجود ہستی پر یقین رکھنا ہے اگر آپ اس یقین تک پہنچ گئے ہیں تو پھر خدا تک بھی پہنچ گئے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ کرب کے راستے سے ہو کر گزرتا ہے۔

☆ جو دل عبادت الٰہی کی لذت سے آشنا ہو جائے اس کے سامنے تمام لذائذ دنیا ہیچ ہو جاتے ہیں مگر یہ بے صبری آپ کو تب لگ سکتی ہے جب رب رحیم خود ایسا چاہے اور اس کا ایسا چاہنا آپ کی نیت پر منحصر ہے۔

☆ ہر انسان کی ہر لمحہ یہ خواہش ہونی چاہئے کہ وہ اپنے کسی عمل سے اپنے عیب اور

غیب کے جاننے والے کی ناخوشی میں گرفتار نہ ہو جائے۔

☆ لوگوں کے جان لیوا استحصال سے بچنا چاہتے ہو تو ان کی محبت اور نفرت دونوں سے ماورا ہو جاؤ' ماورا سے دل لگالو کیونکہ وہ محبت اور نفرت دونوں سے ماورا ہے۔

☆ انسان کے دنیاوی خوف و خدشات رب رحیم و کریم کو تسلیم نہ کرنے کا عملی کفر ہے۔

☆ انسان خدائے خبردار کی ہمہ وقت موجودگی سے خبردار ہونے کے باوجود اپنے گناہ خطا کی گنجائش نکال لیتا ہے اور یہ اس کا اپنا اندھاپن ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ایک سائنس دان کو اپنی ہر ایجاد کے ہر فارمولے کے ہر نقطے کی خبر ہوتی ہے یا ایک کاریگر کو اپنی تخلیق کی پوری ترتیب و تفصیل و تکمیل و تشکیل اور حسن و قبیح کا علم ہوتا ہے خدائے خبردار بھی اپنی کل کائنات کے ذرے ذرے سے واقف ہے۔

☆ اگر خود خدا انسان کا قدر دان نہ ہوتا تو نیک نیت اور باصلاحیت لوگوں کو لوگوں کی ناقدری نیست و نابود کر ڈالتی۔

☆ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں مانگتا ہے منت کرتا ہے بلکہ مزاحمت کرتا ہے کہ فلاں کام نہ ہونے پائے لیکن وہ کام ہو جاتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں وہ خود کو مکمل طور پر بے بے اور بے اختیار محسوس کرتا ہے لیکن یہی لمحہ بیک وقت اس کے یقین اور اعتبار کا بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ بے اختیار ہو کر کہہ اٹھتا ہے کہ وہ کسی اور کے اختیار میں ہے اور یہ کہ اس کی رضا اور رضامندی سے بہت اوپر ایک اور رضامندی بھی موجود ہے جو پوری کائنات پر چھائی ہوئی ہے اور یاد رکھئے اسی رضا اور رضامندی پر ہر لمحہ سر جھکانے اور جھکائے رکھنے ہی کو اصل ایمان کہتے ہیں۔

کبھی کبھی مجھے لگتا ہے اللہ تعالیٰ انسان کی آنکھوں کے دردناک پانی کے اندر رہتا ہے کہ کیونکہ جب بھی میرے دل پر چوٹ لگی وہ میرے قریب تر ہو گیا۔

☆ رحیم و کریم کا کرم دیکھئے اپنے حق میں کی ہوئی ناشکری اور احسان فراموشی کو معاف کر دیتا ہے' انسان کے ساتھ انسان کی ان دونوں زیادتیوں پر اسے پکڑ لیتا ہے۔

☆ انسان کی زندگی اس کی اپنی ذات سے لے کر رب کریم کی ذات تک پہنچنے سے پہلے تک انتہائی باریک ایمانداری کا نام اور کام ہے اگر آپ ایسا نہیں سمجھتے تو اپنی ناکامیوں اور دکھوں کا ذمہ دار بھی اکمل کریم کو نہ ٹھہرائیں۔

☆ گو کہ زمانہ قدم قدم پر آپ کو توڑتا ہے لیکن دراصل اس کا یہی توڑنا ہی آپ کو اپنے رب کے ساتھ جوڑتا ہے۔

☆ اگر ہمارا ہر سانس اللہ تعالٰی کی جانب سے ایک احسان اور رحم و کرم ہے تو جواباً ہمارا ہر سانس سجدہ تشکر کیوں نہیں ہے؟

☆ دل آزاری کی سزا کفر سے زیادہ ہے کیونکہ دل آزاری انسان کی کی جاتی ہے' جب کہ کفر اللہ تعالٰی کی ذات سے انکار کو کہتے ہیں ان دونوں میں سے کفر کو برداشت کر لیتا ہے۔

☆ جس طرح نظر کا چشمہ لگانے سے کسی کوتاہ نظر کی کم نظری اچانک ختم نہیں ہو جاتی نہ ہی اچانک اس کی آنکھوں میں نور اتر آتا ہے بلکہ سارا کرشمہ چشمہ ساز کا ہوتا ہے اسی طرح جب رب کریم اچانک کسی گناہ گار و خطاکار پر کرم فرماتا ہے تو کریڈٹ اس خطاکار کا نہیں ہوتا کہ وہ اچانک معصوم و نیکوکار ہو گیا ہے بلکہ سارا کرم اس کا ہوتا ہی جس کے نزدیک گنتی نظر کی نہیں نیت کی ہے۔ (بشکریہ نوائے وقت)

عصری تعلیم حاصل کرنیوالے مسلم نوجوانوں سے

(مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

مستقبل کی پیشین گوئی

میں نہ کوئی ولی ہوں نہ پیمبر، نہ مجھے بزرگی کا دعویٰ ہے نہ پیشین گوئی کرنے کا شوق، لیکن میں اس وقت ضرور ایک پیشین گوئی کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ آپ کے اس مجمع میں بہت سے ایسے نوجوان ہیں، جو اپنے اپنے ملکوں کی زمام قیادت ہاتھ میں لیں گے اور وہاں کی بڑی اہم ذمہ داریاں سنبھال لیں گے آپ یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، لیکن آپ کے ملکوں میں قیادت کی مسندیں اور رہنمائی کی کرسیاں آپ کی منتظر ہیں، میں آپ کی روشن پیشانیوں کی لکیروں اور خطوط میں ---- آپ کے درخشاں مستقبل کو دیکھ رہا ہوں کسی زمانہ میں کسی ملک کی قیادت حاصل کرنے کے لئے اور کسی ملک و قوم کو اپنے اقتدار و انتظام میں لینے کے لئے زور بازو اور تلوار کے جوہر کی ضرورت تھی، سکندر اور چنگیز و ہلاکو نے نوک شمشیر سے دنیا فتح کی اور قوموں کو مسخر کیا۔ اب اس کے لئے جنگی قوت کافی نہیں، اس وقت قیادت اور اقتدار کے لئے علم کی طاقت کی ضرورت ہے، اس وقت دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک اور خود اسلامی ممالک جمہوریت کے جس راستہ پر چل رہے ہیں اور جن حالات و مسائل کا ان کو سامنا ہے ان کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان ملکوں کی سربراہی اور ان کی قیادت وہی لوگ کریں گے، جو جدید علوم سے واقف ہیں، مغربی زبانوں میں مہارت رکھتے ہیں، اور جن کو جدید جمہوری نظام میں اقتدار کے منصب تک پہنچنے کے لئے ضروری وسائل و مواقع حاصل ہیں اس کی بناء پر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ آپ اپنی ان صلاحیتوں اور خصوصیتوں کی وجہ سے ذمہ داری کی ان جگہوں تک پہنچیں گے اور آپ کو اپنے ملک و قوم کی خدمت کرنے کا موقع ملے گا، یہ آپ کے لئے ایک بڑا نازک امتحان ہے، ان ملکوں کی قسمت بڑی حد تک آپ سے وابستہ ہے اور ان کے مستقبل کا انحصار آپ پر ہے۔

دنیائے اسلام کا مسئلہ

آپ جن ملکوں سے آئے ہیں اور جہاں آپ کو اپنی تعلیم کی تکمیل کر کے واپس جانا ہے، یہ ملک عرصہ سے مسلمان ملک ہیں اور وہ اب بھی اپنے اسلام پر قائم ہیں اور آئندہ بھی ان کا اسلام پر قائم رہنے کا ارادہ ہے، یہ اسلام ان کو بڑی قربانیوں سے حاصل ہوا ہے، اس لئے ان کو انتہائی عزیز ہے اور ان کی نظر

میں نہایت قیمتی ہے' ان ملکوں میں مسلمانوں کی بڑی عظیم تعداد ہے' ان میں سے بہت سے ممالک اپنی آبادی اور مردم شماری کے لحاظ سے یورپ کے بڑے بڑے ملکوں سے بھی بڑے ہیں' اس عددی قوت و کثرت کے ماسوا یہ ملک خدا کی پیدا کی ہوئی دولتوں' ذخیروں اور بیش بہا خزانوں سے مالا مال ہیں' یہ وہ قدرتی دولتیں اور خزانے ہیں' جن کے بغیر مغرب کی گاڑی بھی نہیں چلتی' انہوں نے موجودہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی نئی طاقت بخشی ہے' اس مواد خام کے لحاظ سے کوئی ملک اسلامی ممالک کا ہمسر نہیں۔

اسی طرح سے ان ملکوں کی مسلمان اقوام انسانی صلاحیتوں' زندگی کی توانائیوں اور اخلاقی طاقتوں سے بھرپور ہیں' ان میں اب بھی ایسی قوت عمل' جذبہ قربانی' ذوق ایثار' وفاداری اور جاں نثاری کا جذبہ ہے' جو دنیا کی کسی قوم میں پایا نہیں جاتا۔

جن لوگوں نے دنیا کی سیاحت کی ہے اور دنیا کی مختلف قوموں اور عوام کا تجربہ رکھتے ہیں .ان کا کہنا ہے کہ ان اسلامی ممالک کے مسلمان عوام سے کہیں کے عوام بہتر نہیں. ان میں بھی زندگی کا شعلہ فروزاں ہے' وہ اب بھی کسی مقصد کے لئے جان دے سکتے ہیں .اگر ان کو صحیح قیادت مل جائے تو وہ اب بھی کسی دنیا کی ایک عظیم طاقت بن سکتے ہیں' اگر ان کا سا خلوص' ان کی سی سادہ دلی' ان کا اعتماد' ان کی گرم جوشی اور انکا جذبہ اطاعت اب بھی کسی قوم میں پایا نہیں جاتا' لیکن یہ انتہائی افسوسناک حقیقت ہے کہ ان کی یہ صلاحیتیں عرصہ سے ضائع ہو رہی ہیں .ان ملکوں کی قیادتیں (LEDERSHIP) ان سے بالکل بے خبر ہیں' ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کو راہ پر لگانے کی ان میں نہ صلاحیت ہے نہ آمادگی۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ اس وقت دنیائے اسلام کا سب سے اہم اور عمومی مسئلہ کیا ہے تو میں ادنیٰ توقف کے بغیر کہوں گا کہ مسلمان عوام اور ان کے قائد ہیں رہنماؤں کا فرق و تفاوت اور وہ ذہنی کشمکش جو عوام و خواص کے دو طبقوں میں اسوقت ہر اسلامی ملک میں برپا ہے' عوام مسلمان ہیں وہ اسلام پر ہی جینا اور مرنا چاہتے ہیں وہ مذہبی زبان واصلاحات کے سوا کچھ نہیں سمجھتے' خدا اور رسول' آخرت اور جنت' جہاد اور شہادت' رضائے الٰہی اور اجر و ثواب کے سوا ان کے لئے کوئی چیز کشش اور معنویت نہیں رکھتی' مذہبی دعوت اور نعرے کے سوا کوئی چیز ان کے خون میں گرمی' ان کے جسم میں حرارت اور ان کے اندر سرشاری اور بیخودی کی کیفیت نہیں پیدا کر سکتی اور نہ انھیں ایثار و قربانی پر آمادہ کر سکتی ہے' یہی وہ اپیل تھی' اور یہی وہ نعرہ تھا' جس نے الجزائر کے مسلمانوں کو بیخود بنا دیا' اور ان سے وہ قربانی کرائی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے اسی کے سہارے ہر ملک کی جنگ آزادی لڑی گئی' یہ مسلمان شریعت اور اسلامی قانون سے محبت رکھتے ہیں اور انکے اعلیٰ اور افضل ہونے کے قائل ہیں' ان کو اسلامی معاشرت اور تہذیب سے

محبت ہے، وہ اپنے ان ملکوں میں شریعت کے احکام کو نافذ، اسلامی زندگی کو رائج دیکھنا اور اللہ کے نام کا بول بالا چاہتے ہیں، اور اس کے سوا ان کو کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔

ایک عظیم المیہ

لیکن بدقسمتی سے جس طبقہ کے ہاتھ میں ان کی قیادت و رہنمائی ہے اور جو ان کے گلہ بان اور راعی بنے ہیں، ان کی تعلیم و تربیت اس ماحول، ان عقائد و جذبات اور ان تمناؤں سے بالکل الگ ماحول میں ہوئی ہے، ان کے ذہن کا سانچہ بالکل الگ تیار ہوا ہے، ان کی تعلیم و تربیت انہی شہروں میں ہوئی جہاں آپ اس وقت پڑھ رہے ہیں، ان کے اساتذہ مغرب نے ان کے ذہن پر یہ بات نقش کر دی ہے کہ اسلام کا دور ختم ہو گیا ہے، اس نے اپنے اس محدود ماحول اور غیر ترقی یافتہ دنیا میں جس میں ---- اس کا ظہور ہوا تھا، کسی قدر مفید خدمت انجام دی، لیکن اب اس ترقی یافتہ دنیا اور اس وسیع معاشرہ کے لئے اس کے پاس کوئی پیغام نہیں، اور اب وہ اس بدلی ہوئی دنیا میں کسی طرح فٹ نہیں ہو سکتا، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ قومیں تو ایسی پرجوش مسلمان ہوں کہ ان میں آج بھی محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر اور محمد فاتح پیدا ہو سکتے ہیں، لیکن جو لوگ قوموں کی باگ دوڑ سنبھالے ہوئے ہیں، ان کا اسلام پر سے اعتماد اٹھ چکا ہے۔ اور وہ اسلام کے مستقبل سے مایوس ہیں، اور ان کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں، یہ لوگ یورپ کی تعلیم گاہوں میں اس لئے آئے تھے کہ یورپ سے ایسے وسائل و ذرائع حاصل کریں جن سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے، یہ یورپ اس لئے آئے تھے کہ یہاں سے سائنس، ٹیکنالوجی صنعت اور اس طرح کے دوسرے فنون حاصل کریں جن میں یورپ کو مشرق پر پورا تفوق حاصل ہے، پھر وہ انہیں اسلام کے لئے مسخر کریں اور اسلامی مقاصد کا تابع اور خادم بنائیں۔

نئی نہر سوئز کی ضرورت

وہ یورپ اس لئے آئے تھے کہ یہاں سے علم حاصل کر کے مشرق و مغرب کے درمیان ایک نئی نہر سوئز بنائیں، ایسی نہر سوئز جو مشرق و مغرب کے درمیان مساویانہ و مشترک تبادلہ کا ذریعہ بنے، ایسی نہر جو مشرق سے ایمان و یقین اور عمل صالح کی دولت مغرب کو پہنچائے اور مغرب سے اس کے بے ضرر اور صالح وسائل زندگی مشرق کو منتقل کرے، لیکن افسوس ہے کہ جن لوگوں سے اس کام کی توقع تھی اور جن کو یہ فرض انجام دینا تھا وہ مغرب کے محض نقال بن کر رہ گئے تھے، ان کا کارنامہ ہر قسم کی ذہانت، جدت، جرات اور مجتہدانہ قابلیت سے عاری ہے، وہ امام اور پیشوا بننے کے بجائے مغرب کے محض مقلد اور اس

کے خیمہ دار ثابت ہوئے۔

بقول علامہ اقبال ؒ

کر سکتے تھے جو اپنے زمانہ کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

یورپ میں تعلیم پانے والے نوجوانوں کی ذمہ داری

عزیز نوجوانو! ----- آپ مغرب اس لئے نہیں آئے کہ آپ موم کی طرح پگھل جائیں آپ اس لئے آئے ہیں کہ ایک نیا عالم تعمیر کریں' ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اور ان کے پیرو ہی ایسا عالم تعمیر کر سکتے ہیں' جن پاکباز' امانت دار ہاتھوں نے حرم تعمیر کیا انہی کے نام لیوا اور انہی کے پیرو نئے عالم کی تعمیر کر سکتے ہیں' آج دنیا زبان سے یہ کہہ رہی ہے۔

معمار حرم باز' بتعمیر جہاں خیز

آپ کو نقالی سے بلند ہونا چاہیئے

آپ مغرب اس لئے ہرگز نہیں آئے ہیں کہ یہاں سے واپس جا کر اہل مشرق کو طوطوں کی طرح رٹا رٹایا سبق سنائیں' بندروں کی طرح نقلیں بنائیں' مشرق کو ایسے صاحب ہمت اور صاحب دانش انسانوں کی ضرورت ہے' جن میں ایسی جرات ہو کہ وہ مغرب سے کہہ سکیں کہ تونے یہاں یہاں غلطی کی جو اس کے پورے نظام زندگی سے اعلان بغاوت اور اعلان جنگ کر سکیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ میں کہہ سکیں۔

کفرنا بکم بدابیتا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابدا حتی تومنوا باالله وحدہ (الممتحنہ 40)

"ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے بغض و عداوت ظاہر ہو گیا' جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ"

لیکن وہ لوگ جن کو ایک ہی بات کہنی آتی ہو کہ مغرب نے تو سب صحیح کیا' یہ لوگ مشرق کے کام نہیں آسکتے۔

اس وقت مشرق کو ان بلند حوصلہ' بیباک اور جری نوجوانوں کی ضرورت ہے جو مغرب کی آنکھوں سے آنکھیں ملا سکیں۔

مغرب کے ان حاشیہ برداروں کی کوئی قیمت نہیں' جنہوں نے مغرب کو اپنے سروں پر سوار کر لیا

ہے' وہ مغرب کے سامنے سر جھکاتے ہیں' اور مشرق کو اپنے پیروں تلے روندتے ہیں' ترکی' انڈونیشیاء اور مصر وغیرہ کے موجودہ قائد کسی مجتہدانہ کردار اور کسی تخلیقی قابلیت کا ثبوت نہیں دے سکے' آپ کی منزل ان سے بہت آگے ہونا چاہئے انہوں نے مغربی اقتدار و افکار کے قدموں پر سب کچھ قربان کر دیا' اور اس کے بدلہ میں مشرق کے لئے جو بھیک حاصل کی وہ قربان کی ہوئی دولت کے آگے کوئی قیمت نہیں رکھتی۔

صرف سائنس داں اور انجینئر ہونا کافی نہیں

عزیزو۔ آپ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ آپ کو جنہوں نے یہاں بھیجا ہے' ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ آپ صرف اچھے سائنس داں' اچھے ٹیکنیشن' اچھے انجینئر' اچھے آرٹسٹ اور مغربی زبانوں اور ادبیات کے اچھے ماہرین بن کر جائیں۔

اگر آپ صرف سائنس داں' صرف انجینئر اور صرف قانون داں بنے تو آپ نے ملک کو صحیح فائدہ نہیں پہنچایا' آپ کو ان علوم میں مجتہدانہ قابلیت پیدا کرنی چاہئے اگر آپ قانون کے طالب علم ہیں تو آپ کو اسلامی قانون پر عبور حاصل کرنا چاہئے اور دنیا کے اصول قانون کا گہرا مطالعہ کر کے اسلامی قانون کی برتری ثابت کرنی چاہئے آپ کو اپنے ملکوں میں جا کر کہنا چاہئے کہ مغرب کا کس قدر برا حال ہے وہ اس وقت پکے ہوئے پھل کی مانند ہے' جو کسی وقت بھی گرنے والا ہے۔

اگر آپ نے مشرق میں جا کر کہا کہ مغرب سرتاپا خیر اور سراسر بے عیب ہے تو آپ نے اپنی قوم کو دھوکہ دیا اور ایک خلاف واقعہ بات بیان کی' آپ کو یہاں سے واپس جا کر اپنے بھائیوں کو بتانا ہے کہ مغرب کے پاس کیا خوبیاں ہیں؟ اس کی قوت کا کیا راز ہے' اور ان کی زندگی کے کون سے پہلو قابل تقلید ہیں؟ اس طرح مغرب کی کونسی بیماریاں ہیں' جو اس کے درخت کو گھن کی طرح کھاتی جا رہی ہیں' وہ آج کس اخلاقی جذام میں مبتلا ہے' وہ ہمیں اس کی کن کن چیزوں سے پرہیز کرنا ہے' اور اس کی کون سی چیزیں ہیں' جن میں مشرق کو اس کی تقلید کرنے کی ضرورت نہیں اور جس کا مغرب سے طاقت اور اقتدار سے کوئی تعلق نہیں۔

ابھی آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں

اگر میں یہ بات دہلی' کراچی یا قاہرہ میں جا کر کہتا یا کسی اور مشرقی شہر کے قائدین کے سامنے پیش کرتا جو اپنی فکر اور تربیت میں پختہ ہو چکے ہیں' تو یہ بعد از وقت بات ہوتی' وہاں یہ باتیں کہنے کا وقت نکل چکا ہے' ذہن و فکر اور قلب و دماغ کے سانچے یہاں ڈھلتے ہیں' اور وہاں جا کر اپنا عمل شروع کرتے ہیں' اس

لئے کہنے کی جگہ وہی ہے، جہاں یہ سانچے بنتے ہیں، ابھی یہاں اس بات کا وقت نہیں لکلا یہ سبق دراصل یہیں سنانے کا ہے، آپ ہی کو اپنے ملکوں کا قائد و رہنما بننا ہے، آپ ہی کو اپنی قوم کی تعمیر کرنی ہے۔ اگر آپ کو اپنی قوم کی عظیم صلاحیت اور قیمت کا احساس یہیں پیدا ہو جائے اور آپ کے دل میں اسلام کی زندگی کی صلاحیت اور اس کی اندرونی طاقت اور اس کی افادیت پر اعتماد پیدا ہو جائے، تو آپ نے سب کچھ پالیا۔

دعوت عمل

آپکو جو ملک سپرد کئے جا رہے ہیں، وہ بہت بڑے بڑے اور اہم ملک ہیں اتنی بڑی سوسائٹی اور قوت کسی کو نصیب نہیں، آپ ان ملکوں کی اقتصادیات، ان کی دولتوں اور ذخائر اور ان کی انسانی صلاحیتوں کا جائزہ لیجئے، اور انکا نیا نقشہ بنائیے، اپنے علم و فن سے پورا فائدہ اٹھائیے اور اسلامی مقاصد کے لئے ان کو زیادہ سے زیادہ کار آمد بنائیے، بے لوث اور بے غرض خدمت کی مثال قائم کیجئے اگر آپ نے ایسا کر لیا اور آپ نے اسلامی قیادت کا صحیح مقام حاصل کیا تو آپ کو دنیا اور تاریخ میں وہ مقام حاصل ہو گا، جو نہ کمال اتاترک کو حاصل ہوا نہ جمال عبدالناصر کو، نہ بن بیلہ اور احمد سوئیکارنو کو نہ دوسرے اسلامی ممالک کے قائدین کو۔

یہ محبوبیت و اعتماد احیائے ملت، اعلائے کلمۃ اللہ اور بے لوث و بے غرض خدمت کا مقام ہے، جو تاریخ میں بڑے نصیب والوں کو حاصل ہوتا ہے، اس طرح یہ ملک اس ذہنی، اخلاقی اور طبقاتی کشمکش سے بھی نجات پائیں گے، جس میں ان قومی رہنماؤں نے ان کو بالکل غیر ضروری طریقوں پر مبتلا کر دیا ہے، جو ان قوموں کے مزاج معتقدات و روایات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔

اپنے کو پالیجئے

آپ اپنی اور اپنی قوموں کی صلاحیتوں سے آشنا بنئے، خود اپنی ہستی، اپنی ترقی اور فتوحات کے عظیم اور وسیع امکانات کا انکشاف کیجئے، اور اپنی نامعلوم نئی دنیا کو دریافت کر کے ایک انقلاب پیدا کیجئے۔

آپ مجھے یا میری باتیں سمجھیں یا نہ سمجھیں اپنے کو سمجھنے کی کوشش کیجئے اور اپنے کو پالیجئے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

(یہ تقریر 1964ء کو لندن میں اسلامک سنٹر کے زیر اہتمام ایک جلسہ میں کی گئی)

خلافت ارض کے لئے علم کیمیا اور طبیعیات کی اہمیت

(مولانا محمد شہاب الدین ندوی)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ نوع انسانی پر اپنے احسانات و نوازشات کا تذکرہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ دنیا کی ساری نعمتیں انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔

هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا

"وہی ہے جس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا کیں"۔ (البقرہ۔29)

هو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبها وکلوا من رزقه

"وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے رام کر دیا کہ تم اس کے کندھوں پر چلو پھرو اور اللہ کا رزق کھاؤ"۔ (ملک۔15)

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی فرمایا کہ اس نے تمہاری فطرت کے تقاضے کے مطابق دنیا بھر کی ساری چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں اور تمام مظاہر فطرت کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے اور اس اعتبار سے اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا بھی چاہو تو نہ کر سکو گے۔

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموت وما فی الارض واسبغ علیکم نعمه ظاهرة وباطنه

"کیا تم اس حقیقت سے واقف نہیں کہ اللہ نے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا اور تم پر اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں پوری کر دیں؟" (لقمان۔20)

واٰتکم من کل ما سالتموه وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوها

"اور اس نے تم کو وہ سب کچھ دے دیا جس کو (تمہاری فطرت نے) مانگا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا بھی چاہو تو نہ کر سکو گے" (ابراہیم۔34)

اس موقع پر ظاہری اور باطنی نعمتوں کا جو تذکرہ کیا گیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ظاہری نعمتوں سے مراد وہ نعمتیں جن سے ہر دور کا انسان واقف رہا ہے اور باطنی نعمتوں سے مراد وہ نعمتیں ہو سکتی ہیں جو خاص کر موجودہ سائنسی علوم کی ترقی کے باعث مادہ اور توانائی کے راز ہائے سربستہ کے منکشف ہونے کے باعث وجود میں آ سکی ہیں۔ اس موضوع پر راقم سطور نے ایک دوسری جگہ تفصیلی بحث کی ہے۔ غرض اس اعتبار سے باطنی نعمتوں کی فہرست میں برق و بھاپ، ایٹمی توانائی اور

وہ تمام اسرار آجاتے ہیں، جن پر قابو پاکر آج انسان بر و بحر کی تسخیر کر رہا ہے۔ اسی طرح مختلف قسم کی مشینیں مثلاً "موٹر، ریل، ہوائی جہاز، ٹیلی فون، ٹیلی پرنٹر، کمپیوٹر اور کیمیاوی مصنوعات، فن طب و زراعت میں کام آنے والے آلات، مشینیں، پلاسٹک کی مصنوعات، ربڑ کی مصنوعات، فولاد کی مصنوعات اور الیکٹرانکس اشیاء وغیرہ وغیرہ لاکھوں قسم کی چیزیں جن کا شمار بھی مشکل ہے، سب کی سب اس فہرست میں آسکتی ہیں۔ اسی طرح فوجی و عسکری نوعیت کے آلات و ہتھیار بھی اس فہرست میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اور ان اشیاء کی تیاری اور ترقی میں اقوام عالم کے درمیان سخت مقابلہ چل رہا ہے۔ کیونکہ آج کسی قوم اور ملک کے ترقی یافتہ ہونے کا دار و مدار اس پر ہے کہ وہ کتنی صنعتوں کا مالک ہے اور اس کا معیار دیگر اقوام کی مصنوعات کے مقابلے میں کیا ہے۔

اس اعتبار سے جو قوم یا جو ملک اس میدان میں زیادہ آگے ہو وہ نہ صرف "ترقی یافتہ" سمجھا جاتا ہے بلکہ وہ دیگر ممالک پر اپنی سیادت بھی قائم کرتا ہے۔ گویا کہ آج قومیں اپنی صنعت و حرفت کی بنا پر "بڑی" سمجھی جاتی ہیں، اگرچہ وہ افرادی اعتبار سے "چھوٹی" ہی کیوں نہ ہوں اور آج صنعت و حرفت میں ترقی کا راز سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کرنے کا نتیجہ ہے، جس کو قرآن کی زبان میں "علم اسماء" اور "علم تسخیر" کہا جا سکتا ہے۔

سائنسی علوم میں بنیادی اہمیت کے علوم صرف دو ہیں، جن پر ٹیکنالوجی یا "تسخیر" کا دار و مدار ہے۔ اور وہ ہیں علم کیمیا Chemistry اور طبیعات Physics یہ دو علوم دنیا کے تمام خزانوں یا خدائی نعمتوں کے حصول کے لئے "چابیوں" کی حیثیت رکھتی ہیں، جن پر "خلافت ارض" کا دار و مدار ہے۔ لہٰذا جو قوم ان علوم میں فائق ہو وہی اس دنیا کی صحیح معنی میں جانشین بن سکتی ہے اور دیگر قومیں اس کی حاشیہ بردار ہو سکتی ہیں، چاہے وہ عددی اعتبار سے کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں۔ جیسا کہ عصر جدید کے جائزہ سے اس کی بخوبی تصدیق و تائید ہو جاتی ہے۔

نیز اس موقع پر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ خدائی نعمتوں کے اس باب میں فرمانبرداروں اور نافرمانوں کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ قانون فطرت کے مطابق جو قوم اس میدان میں آگے بڑھتی ہے وہی دنیوی نعمتوں کی حقدار بن جاتی ہے اور جو قوم ان خدائی نعمتوں کے حصول اور جدوجہد کی راہ میں پیچھے رہ جائے وہ قانون فطرت کے مطابق "پس ماندہ" قرار دے کر اسٹیج سے اتار دی جاتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

یہ بزم مے ہے یاں کو تاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ مسلم قومیں جب تک سائنسی علوم کو سینے سے لگائے تسخیر موجودات میں منہمک رہیں، ان کا وزن دیگر قوموں پر برابر قائم رہا۔ جس طرح کہ آج یورپ اور امریکہ کی دھاک دیگر اقوام پر بیٹھی ہوئی ہے۔ مگر جیسے ہی انہوں نے اس وظیفے کو ترک کر دیا وہ مغلوب و مقہور ہو گئیں۔ حتیٰ کہ پوری پانچ صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کی مغلوبیت کا یہی حال ہے۔ جب کہ آج عددی اعتبار سے تقریباً پچاس آزاد ممالک مسلمانوں کے قبضے میں ہیں اور یہ ذلت و مسکنت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر پھر سے اپنا "وظیفہ حیات" جاری نہ کر دیں اور پھر سے "میراث آدم" پر قابض نہ ہو جائیں۔

اگر مسلم قومیں قرون وسطیٰ کی طرح موجودہ دور میں بھی ان علوم و فنون میں امام ہوتیں اور جدید تحقیقات میں ان کا بھی حصہ ہوتا تو ان علوم و فنون کی غلط اور مادہ پرستانہ نقطہ نظر سے تشریح و توجیہہ کے باعث جو عالمگیر فکری بے راہ روی آج پائی جا رہی ہے وہ ہرگز رونما نہ ہوتی۔ بلکہ مادہ پرستانہ نقطہ نظر کے باعث تمدن جدید میں جو غلط اور مضر رجحانات، خدا بیزاری اور آخرت فراموشی کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں ان کا سد باب ہوتا۔ اور عالم انسانی جن ہلاکت خیزیوں سے اس وقت دو چار ہے ان سے محفوظ رہتا۔ اس طرح امت مسلمہ کے اس میدان میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے عالم انسانی کو دوہرے اور عظیم نقصانات سے دو چار ہونا پڑا ہے، جن کی تلافی بہت مشکل ہو سکے گی۔ لہٰذا اب مسلمانوں کو سنجیدگی کے ساتھ سوچنا چاہئے کہ انہوں نے ان علوم سے غفلت کر کے کیا کھویا اور کیا پایا؟

غرض ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ان علوم و فنون سے واقفیت اور ان میں کمال حاصل کرنا نہ صرف ضروری ہے بلکہ امام غزالیؒ کی تصریح کے مطابق حالات کی نزاکت کے اعتبار سے اس قسم کے علوم کی تحصیل بعض صورتوں میں فرض کفایہ بھی ہو سکتی ہے۔ (دیکھئے احیاء العلوم 16/1) اور میرے نزدیک بعض صورتوں میں فرض عین ہو سکتا ہے، جب کہ ملت اسلامیہ اجتماعی حیثیت سے نرغے اور جانکنی کے عالم میں ہو۔ ہمارے ایک ہاتھ میں قرآن و حدیث ہوں تو دوسرے ہاتھ میں علوم و فنون بھی ہوں اور ہم کو ان دونوں میں ایک توازن قائم کر کے زندگی، خلافت اور نشاۃ ثانیہ کے میدان میں آگے بڑھنا چاہئے۔ ورنہ ہم موجودہ طوفانی بھنور سے کبھی نہیں نکل سکتے۔ یہ دنیا مادی اسباب و وسائل کی دنیا ہے جس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے جو قوانین و ضوابط بنا دئے ہیں وہ ضرور پورے ہو کر رہتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں ہمت ہارے بغیر نئے عزم

و حوصلے سے ایک راہ عمل متعین کر کے اسلامی تاریخ کے موجودہ سب سے بڑے معرکے کو سر کرنا اور ایک نئی تاریخ بنانا ہے۔

پھر ہمارا مقصد محض خود کو طاقتور اور خود کفیل بنانا ہی نہیں بلکہ ہمیں موجودہ بگڑے ہوئے انسانی معاشرہ اور اس کے غلط فلسفوں' اس کے مضر و ہلاکت خیز تہذیبی اقدار' اس کے غلط تمدنی رجحانات' اس کی غیر صالح صنعتوں اور خصوصاً" اس کے تباہ کن کیمیاوی آلات و ہتھیار وغیرہ سب کی اصلاح بحیثیت "خیر امت" کے کرنی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہمارا ایک اہم ملکی اور انسانی فریضہ اور ہماری اجتماعی زندگی کا ایک اہم شعبہ ہے' جس کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ مگر یہ سارے فوائد اور مفید نتائج اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ ہم مادی میدان میں بھی دیگر اقوام سے برتر نہیں تو کم از کم ان کے برابر ضرور ہو جائیں۔ ورنہ موجودہ دور میں کوئی کمزور اور مفلس قوم ان فرائض منصبی کو صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتی۔ اور دنیا کی طاقتور اور احساس برتری کے نشے میں چور قومیں ایسی کمزور قوم کو خاطر میں نہیں لاتیں۔ لہٰذا مادی حیثیت سے اپنے آپ کو طاقتور بنانا گویا کہ در حقیقت اپنے دین و ایمان کو طاقتور بنانا ہے۔ اس طرح ہم دین برحق اور اس کے صالح اقدار کو بھی غالب کر سکیں گے جو عنداللہ مطلوب و مقصود ہے۔

لہٰذا مسلم حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ اس طرف خصوصی توجہ مبذول کریں اور اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے ملک و ملت کی بھلائی اور اس کے دینی و دنیوی مفاد کی خاطر مثبت اقدامات کریں۔

مگر موجودہ نفسیاتی حالات اور ذہنی کش مکش کی فضا کو بدلنے اور امت مسلمہ کو تعمیر عالم کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے سب سے پہلے ہمارے ذہنی جمود کو۔ جو ہماری ساری پس ماندگیوں اور بے چارگیوں کی علامت ہے۔ توڑنا اور موجودہ فکری پیمانوں کو بدلنا ضروری ہے۔ ہمارے ملی مسائل کو حل کرنے کے لئے حقیقت پسندانہ نقطہ نظر اور سائنٹفک طرز فکر جو در حقیقت قرآن حکیم ہی کا پیدا کردہ انقلابی اور حقیقت پسندانہ طرز فکر ہے۔ اپنانا ہو گا۔ ہم اپنے اطراف کی دنیا اور اس میں کار فرما تکوینی (طبیعی) اسباب و علل سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہمیں قرآن و حدیث میں کہیں بھی ان تکوینی اسباب و علل سی آنکھیں بند کر لینے کی ہدایت نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ اللہ پر توکل کے ساتھ ساتھ ان اسباب و علل کا لحاظ رکھنے کی بھی تاکید ملتی ہے۔

سیرت رسول ﷺ کا عملی پہلو

سید سلیمان ندویؒ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ

صاحبو! محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی کس چیز میں اور کیونکر کرنی چاہیے اس کے لئے آج ہم کو سیرت نبوی ﷺ کا عملی پہلو دکھانا ہے' یہ انبیاء کرام اور بانیان مذاہب کی موجودہ سیرتوں کا وہ باب ہے جو تمام تر خالی اور سادہ ہے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے اور تنہا یہی ایک معیار اس فیصلہ کے لئے کافی ہے کہ نبیوں کا سردار اور رسولوں کا خاتم کون ہو سکتا ہے۔ مفید نصیحتوں میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی تعلیموں کی دنیا میں کمی نہیں' کمی جس چیز کی ہے وہ کام اور عمل ہے' موجودہ مذاہب کے شارعوں اور بانیوں کی سیرتوں کے تمام صفحے پڑھ جاؤ دلچسپ تھیوریاں ملیں گی۔ دل آویز حکایتیں ملیں گی' خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی تحریر کا زور و شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا' موثر تمثیلین تھوڑی دیر کے لئے خوش کر دیں گی جو چیز نہیں ملے گی وہ عمل 'کام اور اپنے احکام و نصائح کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے۔

انسان کی عملی سیرت کا نام خلق (اخلاق) ہے قرآن کے سوا اور کس مذہب کے صحیفہ نے اپنے شارع کی نسبت اس بات کی کھلی شہادت دی ہے کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بھی بدرجہا بلند انسان تھا' لیکن قرآن نے صاف کہا اور دوست و دشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا۔

وان لک لاجرا غیر ممنون وانک لعلی خلق عظیم (قلم۔1)

(اے محمد ﷺ) بے شک تیری مزدوری نہ ختم ہونے والی ہے اور بے شک تو بڑے (درجہ کے) اخلاق پر ہے۔

یہ دونوں فقرے گو نحو میں معطوف اور معطوف علیہ ہیں لیکن در حقیقت اپنے اشارۃ النص اور ترکیب کلام کے لحاظ سے علت و معلول ہیں' یعنی دعویٰ اور دلیل ہیں' پہلے ٹکڑے میں آپ کے اجر کے نہ ختم ہونے کا دعویٰ ہے اور دوسرے ٹکڑے میں آپ کے عمل اور اخلاق میں پیش کیا گیا ہے یعنی آپ کے اعمال اور آپ کے اخلاق خود اس کی دلیل ہیں کہ آپ کے اجر کا سلسلہ کبھی ختم نہ

ہوگا کہ کا امی معلم پکار کر کہتا ہے۔

لم تقولون مالا تفعلون (صف۔6) کیوں تم کہتے ہو جو کرتے نہیں

اور اس اعلان کا اس کو حق تھا چونکہ وہ جو کچھ کہتا تھا اس کو کر کے دکھا دیتا تھا' کوہ زیتون کے وعظ (حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام) اور کوہ صفا کے مبلغ (محمد رسول اللہ ﷺ) ان دونوں کی سیرتوں کو اس عملی حیثیت سے پڑھو اور مطالعہ کرو' تو معلوم ہو گا کہ ایک کی سیرت اس سے یکسر خالی ہے تو دوسرے کی سر تا پا معمور' قوت پا کر عفو اور حلم پیش کرنا بلند اخلاقی ہے۔ لیکن کسی معذور' مجبور یا کمزور کی خاموشی کی تعبیر عفو و حلم سے نہیں کی جا سکتی' ایک شخص نے کسی کو مارا نہیں' کسی کو قتل نہیں کیا' کسی کے ساتھ برائی نہیں کی' کسی کا مال نہیں لوٹا' کوئی گھر نہیں بنایا' کچھ جمع نہیں کیا' لیکن یہ سب کی سب منفی اور سلبی خوبیاں ہیں' یہ بتاؤ کہ مارا نہیں لیکن کسی غریب و کمزور کی مدد بھی کی؟ کسی کو قتل نہیں کیا لیکن کسی کو قتل ہونے سے بچایا بھی؟ کسی کے ساتھ برائی نہیں کی' لیکن کسی کے ساتھ اچھائی بھی کی؟ کسی کا مال نہیں چھینا لیکن کسی غریب و مسکین کو کچھ دیا بھی؟ اپنے لئے کوئی گھر نہ بنایا لیکن کسی بے گھر اور بے خانماں کو پناہ بھی دی؟ اپنے لئے کچھ جمع نہیں کیا لیکن دوسروں کو کچھ دیا اور دلایا بھی؟ دنیا کی یہ ثبوتی اور ایجابی خوبیاں درکار ہیں اور انہی کا نام عمل ہے' قرآن پاک گواہی دیتا ہے۔

فبما رحمته من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك (آل عمران 17۔)

پس خدا کی عنایت سے تم ان کے لئے نرم ہو (اے محمد ﷺ) اور اگر تم (کہیں) کج خلق اور سخت دل ہوتے تو البتہ یہ لوگ (جو تمہارے آس پاس جمع ہوئے ہیں) تمہارے ارد گرد سے پھٹ جاتے

یہ آنحضرت ﷺ کی نرم دلی کا متواتر بیان ہے جو دعویٰ اور دلیل کے ساتھ خود صحیفہ الٰہی میں موجود ہے کہ اگر آپ نرم دل اور رحیم نہ ہوتے تو یہ وحشی' نڈر' بیخوف اور درشت مزاج عرب کبھی آپ کے گرد جمع نہ ہوتے دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لقد جاء كم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمومنين روف رحيم

(توبہ - 16)

تمھارے پاس خود تم میں سے ایک پیغمبر آیا جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گذرتی ہے تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے"۔

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ان ترجمانہ جذبات کا ذکر فرمایا ہے۔ جو تمام بنی نوع اور تمام بنی آدم کے ساتھ 'چنانچہ فرمایا' کہ اے لوگو۔ تمہارا تکلیف و مصیبت اٹھانا' حق کے قبول سے انکار کرنا اور اپنی جہالت و گنہ گاری پر اس طرح ڈٹے رہنا رسول ﷺ پر شاق ہے۔ اور تمہاری بھلائی اور خیر خواہی کا وہ بھوکا ہے' بنی نوع انسان کے ساتھ یہی خیر خواہی تمہاری دعوت و تبلیغ اور نصیحت پر اس کو آمادہ کرتی ہے اور جو لوگ اس کی دعوت اور پکار کر سن لیتے ہیں' وہ ان کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔ غرض اس آیت پاک میں اس بات کی شہادت ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ تمام بنی نوع انسان کے خیر خواہ اور خیر طلب تھے اور مسلمانوں پر خصوصیت کے ساتھ مہربان اور شفیق تھے۔

یہ آپ کے عملی اخلاق کے متعلق آسمانی شہادتیں ہیں۔

قرآن پاک اسلام کے احکام اور آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جو تعلیمات انسانوں کو پہنچائی گئیں' ان کا مجموعہ ہے بحیثیت ایک عملی پیغمبر کے آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارک در حقیقت قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے۔ جو حکم آپ پر اتارا گیا' آپ نے خود اس کو کر کے بتایا' ایمان' نماز' روزہ' حج' زکوۃ' صدقہ' خیرات' جہاد' ایثار' قربانی' عزم' استقلال' صبر' شکر ان کے علاوہ اور جس عمل و حسن خلق کی باتیں جس قدر آپ نے فرمائیں ان کے لئے سب سے پہلے آپ ﷺ نے اپنا ہی نمونہ پیش فرمایا جو کچھ قرآن میں تھا وہ سب مجسم ہو کر آپ کی زندگی میں نظر آیا' چند صحابی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا ام المومنینؓ حضور ﷺ کے اخلاق اور معمولات بیان فرمائیے ام المومنین جواب میں کہتی ہیں کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟

آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا (ابوداؤد) قرآن الفاظ و عبارت ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت اس کی عملی تفسیر۔

انسان کے اخلاق' عادات اور اعمال کا بیوی سے بڑھ کر کوئی واقف کار نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت

ﷺ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس وقت حضرت خدیجہؓ کے نکاح کو 15 برس ہو چکے تھے اور یہ مدت اتنی بڑی ہے جس میں ایک انسان دوسرے کے عادات و خصائل اور طور طریقہ سے اچھی طرح واقف ہو سکتا ہے اس واقفیت کا اثر حضرت خدیجہؓ پر یہ پڑتا ہے کہ ادھر آپ کی زبان سے آپ کی نبوت کی خبر نکلتی ہے اور ادھر حضرت خدیجہؓ کا دل اس کی تصدیق کو آمادہ ہو جاتا ہے آنحضرت ﷺ جب نبوت کے بار گراں سے گھبراتے ہیں تو حضرت خدیجہؓ تسکین دیتی ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ خدا آپ کو تنہا ہرگز نہیں چھوڑے گا کیونکہ آپ قرابت والوں کا حق پورا کرتے ہیں' مقروضوں کا قرض ادا کرتے ہیں' غریبوں کی مدد کرتے ہیں' مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں' حق کی طرفداری کرتے ہیں' مصیبتوں میں آپ لوگوں کے کام آتے ہیں۔ (بخاری) غور کیجئے یہ آپ کی وہ عملی مثالیں ہیں جو نبوت سے پہلے آپ میں موجود تھیں۔

آنحضرت ﷺ کی تمام بیویوں میں حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے زیادہ محبوب حضرت عائشہؓ تھیں' حضرت عائشہؓ نو برس متصل آپ کی صحبت میں رہیں' وہ گواہی دیتی ہیں کہ حضور ﷺ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی آپ برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے' بلکہ معاف کر دیتے تھے' آپ گناہ کی باتوں سے کوسوں دور رہتے تھے آپ نے کبھی کسی سے اپنا بدلہ نہیں لیا' آپ نے کبھی کسی غلام' لونڈی' عورت یا خادم یہاں تک کہ کسی جانور تک کو کبھی نہیں مارا' آپ نے کبھی کسی کی جائز درخواست اور فرمائش کو رد نہیں فرمایا۔

رشتہ داروں میں حضرت علیؓ سے بڑھ کر کوئی آپ کے دن رات کے حالات اور اخلاق سے واقف نہ تھا وہ بچپن سے جوانی تک آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہے تھے وہ گواہی دیتے ہیں کہ "آپ ہنس مکھ' طبیعت کے نرم اور اخلاق کے نیک تھے' طبیعت میں مہربانی تھی' سخت مزاج نہ تھے کوئی برا کلمہ کبھی منہ سے نہیں نکالتے تھے لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو نہیں ڈھونڈا کرتے تھے کسی کی کوئی فرمائش مزاج کے خلاف ہوتی تو خاموش رہ جاتے' نہ اس کو صاف جواب دے کر مایوس کر دیتے تھے اور نہ اپنی منظوری ظاہر فرماتے تھے واقف کار اس انداز خاص سے سمجھ جاتے کہ آپ کا منشاء کیا ہے یہ اس لئے تھا کہ آپ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے' دل شکنی نہیں کرتے تھے بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے کہ آپ رؤف و رحیم تھے"۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ "آپ نہایت فیاض، بڑے سخی، راست گو، نہایت نرم طبع تھے لوگ آپ کی صحبت میں بیٹھتے تو خوش ہو جاتے آپ کو پہلی دفعہ جو دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے وہ آپ سے ملتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا"۔ (شمائل ترمذی)

آپ کی سیرت پڑھ کر بعینہٖ یہی خیالات انگلینڈ کے سب سے مشہور مورخ گبن نے ظاہر کیے۔ آنحضرت ﷺ کے سوتیلے فرزند یعنی حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے صاحبزادہ حضرت ہند رضی اللہ عنہ جو گویا آپ کے پروردہ تھے، گواہی دیتے ہیں کہ "آپ کی طبیعت میں نرمی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے، کسی کی عزت کے خلاف کوئی بات نہیں کہتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں کا شکریہ ادا کرتے تھے، کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے کھانا جیسے سامنے آتا کھا لیتے، اس کو برا نہ کہتے۔ آپ کو اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہیں آتا تھا، نہ کسی سے بدلہ اور انتقام لیتے تھے اور نہ کسی کی دل شکنی گوارا کرتے تھے لیکن اگر کوئی حق بات کی مخالفت کرتا تو حق کی طرفداری میں آپ کو غصہ آجاتا تھا اور اس حق کی پوری حمایت فرماتے تھے۔ (شمائل)

یہ آپ کے حق میں ان لوگوں کی شہادتیں ہیں جو آپ سے بہت نزدیک اور آپ سے بہت زیادہ واقف تھے۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کی سیرت مبارکہ کی عملی حیثیت کیسی بلند تھی۔

آپ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بحیثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیروؤں کو جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھا دیا۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی، صحابہؓ کی زندگی میں اس تلقین کا اثر نمایاں ہوا وہ تو الگ چیز ہے، خود آپ کی زندگی کہاں تک اس کے مطابق تھی اس پر غور کرو شب و روز میں کم کوئی ایسا لمحہ تھا جب آپ کا دل خدا کی یاد سے اور آپ کی زبان خدا کے ذکر سے غافل ہو۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، پہنتے اوڑھتے ہر حالت میں اور ہر وقت خدا کا ذکر اور اس کی حمد زبان مبارک پر جاری رہتی تھی۔ آج حدیث کی کتابوں کا ایک کثیر حصہ انہی مبارک کلمات اور دعاؤں کے بیان میں ہے، جو مختلف حالات اور مختلف وقتوں کی مناسبت سے آپ کی زبان فیض اثر سے عطا ہوتیں، حصن حصین دو سو صفحوں کی کتاب صرف ان کلمات اور دعاؤں کا مجموعہ ہے، جن کے فقرہ فقرہ سے خدا کی محبت، عظمت، جلالت اور خشیت نمایاں ہے اور جن سے ہر

وقت زبان اقدس تر رہتی تھی قرآن نے اچھے بندوں کی جو تعریف کی ہے۔

الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم (آل عمران۔۱۹۱)

"جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہر وقت خدا کو یاد کیا کرتے ہیں"۔

یہی آپ ﷺ کی زندگی کا نقشہ تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں آپ ہر وقت اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔

آپ نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا، مگر خود آپ کا حال کیا تھا، عام پیروؤں کو تو پانچ وقتوں کی نماز کا حکم تھا مگر خود آپ آٹھ وقت نماز پڑھا کرتے تھے، طلوع آفتاب کے بعد اشراق، پھر اور دن چڑھے پر چاشت، پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، پھر عشاء پھر تہجد، پھر صبح، عام مسلمانوں پر تو صبح کی دو رکعتیں، مغرب کو تین اور بقیہ اوقات میں چار چار رکعتیں فرض ہیں گویا کل شب و روز میں سترہ رکعتیں فرض ہیں۔ مگر آنحضرت ﷺ ہر روز کم و بیش پچاس ساٹھ رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے۔ پنج وقتہ نماز کی فرضیت کے بعد تہجد کی نماز عام مسلمانوں سے معاف ہو گئی تھی مگر آنحضرت ﷺ اس کو بھی تمام عمر ہر شب ادا فرماتے رہے اور پھر کیسی نماز کہ رات رات بھر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے، کھڑے کھڑے پائے مبارک میں ورم آ جاتا، حضرت عائشہؓ عرض کرتیں اللہ نے تو آپ کو ہر طرح معاف کر دیا ہے پھر اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں فرماتے۔ "اے عائشہؓ کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں" یعنی یہ نماز خشیۃ الٰہی سے نہیں ہے، بلکہ محبت الٰہی اس کا منشاء ہے رکوع میں اتنی دیر جھکے رہتے کہ دیکھنے والے کہتے کہ شاید آپ ﷺ سجدہ کرنا بھول گئے۔

نبوت کے آغاز ہی سے آپ نماز پڑھتے تھے، کفار آپ کے سخت دشمن تھے مگر باایں ہمہ عین حرم میں جا کر سب کے سامنے نماز پڑھتے تھے۔ کئی دفعہ نماز کی حالت میں دشمنوں نے آپ پر حملہ کیا، مگر اس پر بھی خدا کی یاد سے باز نہ آئے۔ سب سے سخت موقع نماز کا وہ ہوتا تھا جب کفار کی فوجیں مقابل ہوتیں، تیر و خنجر چلتے ہوتے لیکن ادھر نماز کا وقت آیا اور ادھر صفیں درست ہو گئیں۔ بدر کے معرکہ میں تمام مسلمان دشمنوں کے مقابل کھڑے تھے، مگر خود ذات اقدس ﷺ خدا کے آگے سجدہ میں جھکی ہوئی تھی۔ تمام عمر میں کوئی نماز عموماً اپنے وقت سے نہیں ہٹی۔ اور نہ دو وقتوں کے علاوہ کبھی کسی وقت کی نماز قضائی ہوئی۔ ایک تو غزوہ خندق میں کافروں نے عصر کی نماز کا

موقع نہیں دیا۔ اور ایک دفعہ اور کسی غزوہ کے سفر میں رات بھر چل کر صبح کو تمام لوگ سو گئے تو آپ نے بعد کو نماز قضا ادا کی۔ اس سے زیادہ یہ کہ مرض الموت میں شدت کا بخار تھا بہت تکلیف تھی مگر نماز حتیٰ کہ جماعت بھی ترک نہ ہوئی قوت جواب دے چکی تھی مگر دو صحابیوں کے کندھوں پر سہارا لے کر مسجد تشریف لائے' وفات سے تین دن پہلے جب آپ نے اٹھنے کا قصد کیا تو غشی طاری ہوئی اور یہی حالت تین دفعہ پیش آئی' اس وقت نماز باجماعت ترک ہوئی۔

یہ تھا خدا کی عبادت گذاری اور یاد کا عملی نمونہ

آپ نے روزہ کا حکم دیا' عام مسلمانوں پر سال میں تیس دن کے روزے فرض ہیں مگر خود آپ کی کیفیت کیا تھی کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزہ سے خالی نہ جاتا تھا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں جب آپ روزے رکھنے پر آتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی افطار نہ کریں گے آپ نے مسلمانوں کو دن بھر سے زیادہ روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی مگر خود آپ کا یہ حال تھا کہ کبھی دو دو تین تین دن بیچ میں کچھ کھائے پیے بغیر متصل روزہ رکھتے تھے اور اس عرصہ میں ایک دانہ بھی منہ میں نہ جاتا تھا۔ صحابہ اس کی تقلید کرنا چاہتے تو فرماتے "تم میں سے کون میرے مانند ہے مجھ کو تو میرا آقا کھلاتا پلاتا ہے" سال میں دو مہینے شعبان اور رمضان پورے پورے روزے میں گذارتے تھے۔ ہر مہینہ کے ایام بیض (دوشنبہ اور جمعرات کا دن) روزوں میں بسر ہوتے۔

یہ تھا روزوں کے متعلق آپ کا عملی نقشہ زندگی۔

آپ نے لوگوں کو زکوٰۃ و خیرات کا حکم دیا' تو پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا' حضرت خدیجہ کی شہادت سن چکے ہو کہ انہوں نے کہا "یا رسول اللہ ﷺ آپ قرضداروں کا قرض ادا کرتے ہیں غریبوں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں" گو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب کچھ چھوڑ کر میرے پیچھے چلے آؤ۔ نہ گھر بار لٹا دینے کا حکم فرمایا' نہ آسمان کی بادشاہت کا دروازہ دولت مندوں پر بند کیا' بلکہ صرف یہ حکم دیا کہ اپنی کمائی میں سے کچھ دوسروں کو دے کر خدا کا حق بھی ادا کرو۔

مگر خود آپ کا یہ عمل رہا کہ جو کچھ آیا خدا کی راہ میں خرچ ہو گیا۔ غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال و اسباب کی کمی نہ تھی' مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا۔ وہی فقر و فاقہ تھا' فتح خیبر کے بعد یعنی 7ھ سے یہ معمول تھا کہ سال بھر کے خرچ کے لئے تمام ازواج مطہرات کو غلہ تقسیم کر دیا جاتا تھا

مگر سال تمام بھی نہ ہونے پاتا تھا کہ غلہ تمام ہو جاتا تھا اور فاقہ پر فاقہ شروع ہو جاتا تھا کیونکہ غلہ کا بڑا حصہ اہل حاجت کی نذر کر دیا جاتا تھا۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ رمضان المبارک میں فرماتے تھی تمام عمر کسی سوال کے جواب میں نہیں کا لفظ نہیں فرمایا کبھی کوئی چیز تنہا نہیں کھاتے تھے کتنی ہی تھوڑی چیز کیوں نہ ہوتی مگر آپ سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے تھے لوگوں کو عام حکم دیا جاتا تھا کہ جو مسلمان قرض چھوڑ کر مرجائے اس کی اطلاع مجھے دو کہ میں اس کا قرض ادا کروں گا اور اس نے ترکہ چھوڑا ہو تو اس کے حقدار اس کے وارث ہونگے' ایک دفعہ ایک بدو نے آکر کہا' اے محمد ﷺ یہ مال نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا ہے میرے اونٹ کو لاد دے' آپ نے اس کے اونٹ کو جو اور کھجوروں سے لدوا دیا اور اس کے کہنے کا برا نہ مانا خود فرماتے تھے۔ انما انا قاسم خازن والله يعطى میں تو بانٹنے والے اور خزانچی کی حیثیت رکھتا ہوں اصل دینے والا تو خدا ہے" حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں آپ کے ساتھ ایک راستہ سے گذر رہا تھا راہ میں آپ نے فرمایا ابوذر اگر احد کا یہ پہاڑ میرے لئے سونا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گذر جائیں اور اس میں سے ایک دنیار بھی میرے پاس رہ جائے۔ البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لئے کچھ رکھ چھوڑوں۔

دوستو! یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے صرف خوشنما الفاظ نہ تھے بلکہ یہ آپ کے عزم صادق کا اظہار تھا اور اسی پر آپ کا عمل تھا، بحرین سے ایک دفعہ خراج کا لدا ہوا خزانہ آیا فرمایا کہ صحن مسجد میں ڈال دیا جائے صبح کی نماز کے لئے آپ تشریف لائے تو دیکھنے والے کہتے ہیں کہ آپ نے خزانہ کے انبار کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا نماز کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا جب سب ختم ہو گیا تو دامن جھاڑ کر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ یہ گویا کوئی غبار تھا۔ جو دامن مباک پر پڑ گیا تھا۔ ایک دفعہ فدک سے چار اونٹوں پر غلہ لد کر آیا تھا کچھ قرض وہ ادا کیا گیا کچھ لوگوں کو دیا گیا۔ حضرت بلال ؓ سے دریافت کیا کہ بچ تو نہیں گیا عرض کی کہ اب کوئی لینے والا نہیں اس لئے کچھ بچ رہا ہے فرمایا جب تک دنیا کا یہ مال باقی ہے میں گھر نہیں جا سکتا' چنانچہ رات مسجد میں بسر کی' صبح کو حضرت بلال ؓ نے آکر بشارت دی کہ "یا رسول اللہ ﷺ خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا یعنی جو کچھ تھا وہ تقسیم ہو گیا آپ نے خدا کا شکر کیا' ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد خلاف معمول فوراً"

اندر تشریف لے گئے اور پھر باہر آ گئے لوگوں کو تعجب ہوا۔ "فرمایا مجھ کو نماز میں یاد آیا کہ سونے کا چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے۔ خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آ جائے اور وہ محمد ﷺ کے گھر میں پڑا رہ جائے ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ "ایک دفعہ آپ ملول اور رنجیدہ تشریف لائے میں نے سبب دریافت کیا فرمایا ام سلمہ۔ کل جو سات دنیار آئے تھے شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ آپ مرض الموت میں ہیں' بیماری کی سخت تکلیف ہے نہایت ہی بے چینی ہے لیکن اسی وقت یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہوئی ہیں حکم ہوتا ہے کہ انہیں خیرات کر دو "کیا محمد ﷺ اپنے رب سے اس طرح ملے کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں"۔ (جاری ہے)

اہم اعلان

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا ایک شب کا منی اجتماع (ذکر و قوالی)

مورخہ 15 اکتوبر 2002ء کی رات کو منعقد ہو گا۔ برادران جو

شرکت کرنا چاہیں نوٹ فرمالیں۔

26/7/03 ڈھلے

صدیق جیراسی کے بھائی کا فون

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالےٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش وخروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟
- نکبت وادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں

FALAH-E-ADMIAT

Registerd

CPL No. 491

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللہ

محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل
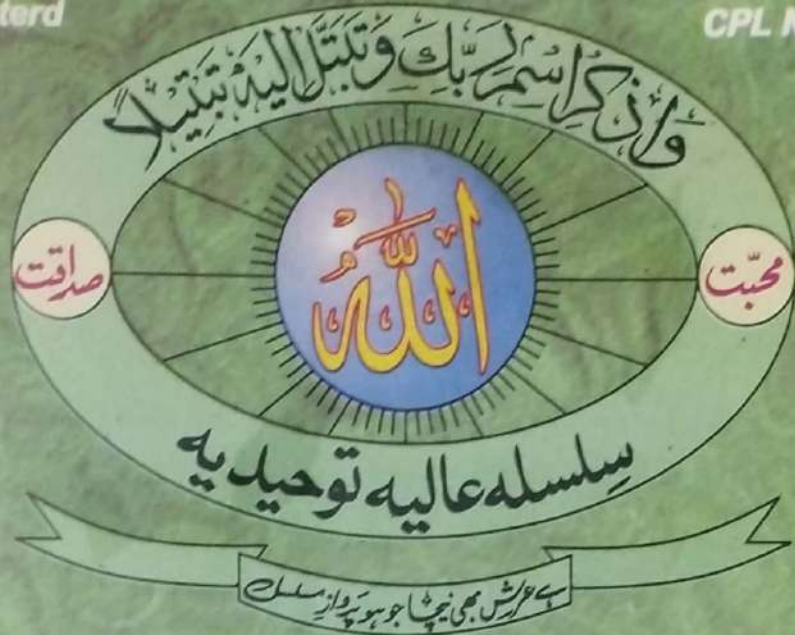
بانی سلسلہ کی تصانیف

"چراغ راہ" خواجہ عبدالحکیم انصاری "سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر مریدین کی تربیت اور راہنمائی کے لئے جو خطبات ارشاد فرماتے رہے یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے اس میں نئے سلسلہ کے قیام کے اغراض و مقاصد تفصیل سے درج کرنے کے علاوہ راہ سلوک کے پیچ و خم، نشیب و فراز اس میں پیش آنے والی رکاوٹیں اور پیدا ہو جانے والی غلط فہمیاں بیان کر دی گئیں ہیں اور صدیوں سے حل طلب روحانی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ایسے ایسے نادر نکات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ گیارہ خطبات ملت اسلامیہ کے لئے درس حیات اور سالکین کے لئے منارہ ہائے نور کی حیثیت رکھتے ہیں وہ خصوصی مسائل جن پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ ہیں۔

☆ سلوک و تصوف میں اپنے ذاتی تجربوں اور تحقیق کا بیان۔
☆ مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور میں کیسے کیسے فقیر ملے اور مرشد سے ملاقات کا حال۔
☆ ہمارے زوال میں امرا علماء اور صوفیاء نے کیا کردار ادا کیا؟
☆ علماء ظاہر اور اہل روحانیت صوفیاء کے اصلاح کے طریقوں میں کیا فرق ہے۔
☆ قوم میں تصوف خفتہ اور تصوف بیدار کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟
☆ تصوف کی اہمیت اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات۔
☆ عقل صمیم، عقل سلیم اور قلب سلیم کیا ہیں اور ان سے ہمیں کیا ملتا ہے۔
☆ یوگا، ہپناٹزم اور مسمریزم کی حقیقت اور انکے مقابلہ میں اسلامی روحانیت کی برتری اور فضیلت
☆ کرامات کی طاقت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور کشف کیونکہ ہوتا ہے؟
☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی؟